فہرست مضامین کتاب

دیباچہ

رقمزدۂ عالیجناب نواب محسن الملک بہادر

جب سے اہلِ مصر کو اپنے خیالات کے اظہار میں روک ٹوک باقی نہیں رہی اور مطبع کو آزادی حاصل ہوئی ہے اور مذہبی اور تمدنی مسائل کی نسبت آزادانہ تحریر و تقریر کرنے میں محتسب کے دُرّوں اور طوق و سلاسل میں جکڑے جانے کا خوف نہیں رہا، ہم دیکھتے ہیں کہ مصر کے مسلمان تقلید کی تاریکی سے نکل رہے ہیں اور عالمانہ اور حکیمانہ تحقیق کی روشنی انہیں پہنچتی جاتی ہے۔ اور ایسے عالی دماغ اور روشن خیال محقق مسلمان پیدا ہو گئے ہیں جن کی تالیفات اور تصنیفات سے وہ پردے جو اسلام پر پڑے ہوئے تھے اُٹھتے جاتے ہیں اور اوسکا اصلی نورانی چہرہ نظر آنے لگا ہے مفتی محمد عبدہ جیسا حکیم اپنی حکیمانہ اور محققانہ تحریر و تقریر سے اسلام کو زندہ کر رہا ہے، سید محمد رشید آفندی صاحبِ المنار فلسفیانہ اور عالمانہ مضامین لکھکر اسلام اور فطرۃ، دین اور عقل کے اتحاد کو ثابت کر رہا ہے، اور یوروپ کے مورخوں اور مصنفوں نے نادانی یا تعصب سے اسلام کے پاکیزہ مسائل کو بدنما شکل میں دکھلایا تھا اُن کی غلطیاں اب دنیا پر کھولتے جاتے ہیں۔ ان جدید تصنیفات میں ایک کتاب رسالۃ التوحید ہے جو حکیم الامۃ شیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی تصنیف ہے اور جسکا اردو ترجمہ ہم شائع کر چکے ہیں جو کئی بار چھپ چکا ہے اور کمیٹی دینیات مدرسۃ العلوم نے اسکو پسند کر کے اسکول کے مذہبی نصاب میں داخل کیا ہے۔ ان میں دوسری کتاب المدنیۃ والاسلام ہے جو محمد فرید آفندی وجدی کی نہایت قابل قدر تصنیف ہے اور جسکو سید محمد رشید آفندی نے جدید اسلامی تصانیف میں رسالۃ التوحید سے دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔

اِس قسم کے عالمانہ اور محققانہ مضامین کو دیکھکر میں نے چاہا کہ ہمارے ہندوستانی

مسلمان بھائی بھی ان سے محروم نہ رہیں اور شرک و بدعت اور تقلید و اوہام کے پردے جو ان کی چشم بصیرت پر پڑے ہوئے ہیں دور ہوں اور وہ اسلام کی اصلی حقیقت سے واقف ہوں، اور دیکھیں کہ خود ان کے علما اور حکما کیا کہتے ہیں اور اسلام کی حقیقت کیا بتاتے ہیں۔ اسلیئے میں نے اپنے معزز دوست **مولوی رشید احمد** صاحب سے جو **مولوی فاضل** ہیں خواہش کی کہ وہ اس بے نظیر اور قابل قدر کتاب کا اُردو میں ترجمہ کردیں۔ مولوی صاحب موصوف ایک نہایت لائق اور ذی علم آدمی ہیں۔ ان کو عربی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کی ایسی خداداد مہارت حاصل ہے کہ انکا ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اُردو کی ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ زبان ان کی نہایت شستہ، عبارت بالکل سلیس ترجمہ نہایت صحیح اور بامحاورہ ہوتا ہے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے **المدنیۃ والاسلام** کا بھی اُردو میں ترجمہ کردیا ہے اور مولوی سعید احمد صاحب نے اوسکو مطبع احمدی میں طبع کیا ہے۔ مجھکو امید ہے کہ اس ترجمہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچیگا۔ اور جو مسلمان عربی نہیں جانتے اُن کو معلوم ہوگا کہ اصلی اسلام کیا ہے۔ اور جو طالب علم اپنے مذہب سے بے خبر ہیں اور انگریزی کی تعلیم ان کے دلوں میں ملحدانہ اور لاادریانہ شکوک پیدا کر رہی ہے، یہ کتاب ان کے دلوں سے ان تمام شبہات کو دور کردے گی۔ اور اسلام کی روشنی سے ان کے دل منور ہوجاوینگے ✣

مجھے یقین ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا مسلمانوں پر یہ آخری احسان نہوگا بلکہ وہ اس قسم کی اور بھی مفید کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ کرکے اسلام اور مسلمانوں کی عمدہ خدمت انجام دینگے۔ اور ہمیشہ کیلئے بطور باقیات الصالحات کے اپنی یادگار چھوڑینگے ✣

محسن الملک

۱۱ اگست ۱۹۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الانسان

انسان کیا ہے؟ کیا انسان سے مراد یہی مادی جسم ہے جسمیں تحلیل وترکیب اور فنا وتجدید کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جو تبدریج نشو ونما پاتا اور قوی ہوتا ہے اور پھر انتہائے قوت پر پہونچنے کے بعد رفتہ رفتہ اُس میں ضعف و انحطاط شروع ہوتا ہے اور اُسپر بڑھاپا مسلط ہوجاتا ہے، جو آخرکار اُس کی زندگی کا خاتمہ کردیتا ہے اور اُسکے بعد وہ زمین میں دفن ہوتا اور مٹی میں ملجاتا ہے؟ اگر اسی کا نام انسان ہے تو وہ ایک معمولی اور ادنیٰ درجے کے حیوان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جس کی نسبت شیر بلحاظ اپنی قوت اور صولت کے اور ہاتھی باعتبار اپنے ڈیل ڈول کے اور بندر بلحاظ اپنی پھرتی اور چستی کے بدرجہا افضل ہے۔ اور نیز وہ اس اہمیت کا ہرگز مستحق نہیں ہے جو اُسکو عالم کائنات میں پیشتر حاصل تھی یا اب حاصل ہے۔ اگر ہر چیز کی ظاہری حالت کو اُسکے باطن کا عنوان قرار دیا جاوے تو انسان کی حالت کائنات کے بیشمار طبعی موثرات کے درمیان مثل اُس پر کے ہوتی،

جو تیز اور تُند آندھیوں کی لہروں میں چاروں طرف مارا مارا پھرتا ہے اور جس کی وہی بدترین نوبت ہوتی ہے جو زبردست دشمنوں کے مقابلے میں کمزور کی ہو سکتی ہے۔

نہایت قدیم زمانے میں جو انسان کی حالت تھی اُسپر غور کرو اور نیز موجودہ حالت کے ساتھ اُسکا مقابلہ کرو، تمکو ایک نہایت عجیب اور حیرت انگیز بھید معلوم ہوگا جسکے دریافت کے معاملے میں بڑے بڑے عقلا ہیچمدانی کا اقرار کرتے ہیں۔

تمکو معلوم ہوگا کہ ایک کمزور مخلوق، برہنہ جسم، نازک بدن اور ضعیف الاعضائ جسکے پاس اپنی حفاظت کے لئے کوئی ہتھیار موجود نہیں ہے تنہا اور بے یار و مددگار زندگی کے جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا ہے۔ وہ بلند اور سر بفلک پہاڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُن کی بلندی اور عظمت کا خیال کرکے اپنے دل میں ڈرتا ہے۔ وہ سنسان بیابانوں، عمیق غاروں اور گھنے جنگلوں اور بنوں کو دیکھتا اور شیروں اور درندوں کی ہولناک آوازیں سنتا ہے اور اُسپر سخت ہیبت طاری ہوتی ہے۔ نیلگوں آسمان اور روشن ستاروں کی چمک دمک اُسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرتی ہے وہ اُس کی وسعت اور رفعت کو دیکھکر متحیر ہو جاتا ہے ان وحشتوں اور دہشتوں کے علاوہ گرمی سردی کے مصائب اور بھوک پیاس کی تکالیف اُسکے ایسے اٹل دشمن ہیں جن سے کسیوقت بھی اسکو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ حالت اُسوقت تھی جبکہ وہ ابتداً دنیا میں آیا تھا۔ اب اُسکی کیا حالت ہے؟ اسوقت تم کو معلوم ہوگا کہ اُس کمزور مخلوق نے نہایت دلیری اور صبر و استقلال کے ساتھ تمام عوارض طبعی کا مقابلہ کیا ہے اور اُنکو مغلوب و مقہور کر لیا ہے۔ یہ حیرت انگیز کامیابی اُسکو ایسی قوتوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے جنکو اُسکے دست و بازو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُس نے صرف عوارض طبعی کے مغلوب کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُنکو مسخر کرکے اپنے ضروریات

زندگی میں اُن سے خدمت لی ہے جیسا کہ فتحمند بادشاہ جنگ کے قیدیوں سے خدمتیں لیا کرتے ہیں۔ دیکھو اس کمزور جاندار نے باوجود نازک بدن اور ضعیف الاعضا ہونے کے ایسی قوت اور صلابت کا اظہار کیا ہے جو پہاڑوں میں نقب لگاتی اور ٹھوس پتھروں اور سخت چٹانوں کو پیس ڈالتی اور فولاد کو پگھلاتی اور پانی کر کے بہا دیتی ہے۔

کیا اس علمی تدبر اور تفکر کے بعد کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ انسان صرف اس مادی جسم کا نام ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ لامحالہ ہر شخص کو اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس مادی جسم کے غلاف میں ایک ایسا جوہر مخفی ہے جسکی ماہیت اگرچہ ہمکو معلوم نہیں ہے مگر اُسکے آثار نہایت وضاحت کے ساتھ اُسکے موجود ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہی جوہر انسانیت کا مصداق ہے اور اسی سے انسان کو دیگر حیوانات سے امتیاز اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جسکے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جوہر کیا چیز ہے جسکی وجہ سے اس مادی جسم کو ایسی رفعت اور برتری حاصل ہوئی ہے کہ وہ تمام زمینی مخلوقات کا مالک مطلق بن گیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اُن میں تصرف کرتا ہے۔

اگر یہ انسانیت کا مصداق منجملہ ان چیزوں کے ہوتا جو عالمِ محسوسات سے باہر اور حواس کی حد اور اختیارات سے خارج نہیں ہیں تو اُسکی ماہیت میں نہایت تحقیق کے ساتھ غور و فکر کرنا بالکل آسان ہوتا۔ یا اگر وہ حیوانیت کے مصداق کی طبیعت رکھتا جسکے غایات محدود اور جس کے انفعالات معلوم ہیں تو اُسکے مخفی اسرار کے دریافت کرنے میں اُس سے زیادہ تکلیف ہوتی جسقدر کہ امراض کے مائکروب کے خواص دریافت کرنے میں ہوتی ہے۔ مگر یہاں حالت اسکے بالکل برعکس ہے۔ اگر انسان کی حالت کو بنظر غور و امعان

مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں ایسی متناقض باتیں جمع ہیں جن کی وجہ سے محقق طور پر اُسکی خصوصیات کی تحدید کرنا یا اُسکے آثار کو کسی اصول کلیہ کے تحت میں منضبط کرنا سخت دشوار ہے۔ گو یا کہ انسانیت کا مصداق ایک ایسا ناپیدا کنار سمندر ہے کہ بڑی بڑی دوربین عقلیں اُسکی گہرائی دریافت کرنے سے قاصر ہیں اور بلند پرواز اندیشہ کی رسائی اُسکے ساحل تک نہیں ہو سکتی۔

اگر انسان پر بلحاظ اُسکے اکتسابی اوصاف کے نظر ڈالی جاسے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اُنکے درمیان کوئی ارتباط ہے جو اُنکو ایک سلسلہ میں منسلک کرتا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا اصول کلیہ ہے جسکے تحت وہ داخل ہو سکتے ہوں۔ اس حالت میں کہ تمکو ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جو توسط اور اعتدال کی قدر و قیمت جانتا ہے اور اپنی تمام خواہشوں او رغبتوں کو تدبر اور تفکر کے معیار سے جانچتا ہے اور اپنے ہر قسم کے اعمال و افعال کو عدل اور میانہ روی کی میزان میں وزن کرتا ہے۔ اُسکے داہنی جانب تم ایک ایسا شخص دیکھوگے جسکا دل دنیا کی زندگی سے سیر ہو چکا ہے۔ نہ اُسکو دنیوی لذات کی خواہش ہے اور نہ اُسکے دل میں دولت و ثروت کی آرزو باقی ہے۔ آبادی سے اُسکو قطعاً نفرت ہے وہ تنہائی اور فقر و فاقہ کی حالت میں مثل وحشی جانوروں کے بنوں اور پہاڑوں میں رہنا پسند کرتا ہے اور ہر وقت اپنے پروردگار کی جناب میں یہی دعا کرتا ہے کہ دنیا کی طرف سے اُسکو زیادہ تر نفرت ہو۔ اور اُسکی مکافات میں وہ خدا کی رضامندی چاہتا ہے اور اُسکے بائیں جانب تمکو ایک ایسا شخص نظر آئیگا جس کی عقل دنیوی لذات پر اسقدر فریفتہ ہو چکی ہے کہ اُسکو برائی بھلائی اور خیر و شر میں فرق کرنے کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے۔ اُسنے اپنے نفس کی باگ ڈھیلی کرکے سوسائٹی کے اخلاق و آداب سے اُسکو آزاد کر دیا ہے جسطرف

اُسکو نفسانی خواہشات لیجاتی ہیں اُسی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے حیوانات کی نسبت بھی زیادہ تربیت رتبہ سے گذر کر جمود خمود اور سستی اور کاہلی کے لحاظ سے جمادات کے قریب قریب پہونچ گیا ہے تو اُس کے برابر تمکو ایک شخص ایسا بھی نظر آتا ہے جو نہایت وسیع اور عمیق علم رکھتا ہے اور ہر وقت کائنات کے مخفی رموز و اسرار کے دریافت کرنے میں منہمک اور عقلی اور طبعی لذات میں مصروف رہتا ہے۔ اگر تم ایک ایسا شخص دیکھتے ہو جو اپنی زندگی کو اسقدر عزیز رکھتا ہے کہ اُسکی نسبت بزدلی کا شرمناک الزام عاید ہوتا ہے۔ تو اُسکے مقابلے میں تمکو ایک دلیر اور جوانمرد نظر آئیگا جسپر میدان جنگ میں تلوار دنکی کھٹا کھٹ اور توپوں کی گرج اور گھوڑونکے ہنہنانے[1] کی آوازیں سنکر عالم خود رفتگی طاری ہو جاتا ہے اور بہادر سپاہیونکے خون کا سیلاب (جنہوں نے اپنی قومی عزت کی حمایت میں جان دی ہے) زمین پر بہتا ہوا دیکھکر اُسکو نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پس جس شخص نے انسان کی حالت پر ان تمام ممکن اوصاف کے لحاظ سے غور کیا ہے۔ جنکے قبول کرنے کی قابلیت اُس میں موجود ہے کیا وہ انکو کسی عام قاعدے کے تحت میں منضبط کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

انسان کی خواہشوں اور رغبتوں کے لئے کوئی خاص حد معین قرار نہیں دیجا سکتی جہاں اُنکی انتہا ہو جاتی ہو۔ بلکہ جس مقام پر وہ پہونچتا ہے اُس سے آگے بڑھنے کا شوق اُسکو دامنگیر ہوتا ہے اور جب وہ اپنی اس آرزو میں کامیاب ہوتا ہے تو اُسکی ایسی خوشی حاصل ہوتی ہے جو اُسکو اور آگے بڑھنے کے لئے آمادہ کرتی ہے اور تمام پچھلی کامیابیاں اُسکی نظر میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

---

[1] فتیً یکاد صہیل الجرد یقذفہ ٭ من سرجہ طلبا للعز او طربا
(متنبی)

اب وہ زمانے گئے جبکہ امریکہ کو دریافت کرنے والا اور ریل اور تار برقی کے موجد مجنوں خیال کئے جاتے تھے کیونکہ لوگ ایسی باتونکو ناممکن سمجھتے تھے۔ اب ایسا وقت آیا ہے جبکہ علما کا یہ خیال ہے کہ عنقریب ایک زمانہ آنیوالا ہے کہ ہمارے اور اس زمانہ کے لوگوں میں اسقدر فرق ہوگا جسقدر کہ ہمارے اور ادنی حیوانات کے درمیان ہے۔ اسقدر غور و فکر کرنے کے بعد ہم یہ فیصلہ کرنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ انسان اور حیوان کے درمیان جو چیز مابہ الافتراق ہے وہ نطق نہیں ہے جیساکہ ارسطو کا قول ہے اور نہ تفکر بالقوۃ ہے جیساکہ عرب کے فلسفیونکا خیال تھا اور نہ وہ مابہ الافتراق دینداری ہے جیساکہ میسیو کاٹرونگ (ایک فرنچ فلاسفر) کی راے ہے بلکہ حقیقی مابہ الافتراق یہی کہ انسان میں اسقدر عقلی اور اخلاقی ترقی کرنے کی استعداد اور قابلیت موجود ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہوسکتی اور حیوان ایک خاص اور مقرر حد تک ترقی کرسکتا ہے جس سے آگے وہ ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس اس لحاظ سے انسان اور حیوان کے درمیان وہی فرق ہوگا جو محدود اور نامحدود چیزونکے درمیان ہوسکتا ہے۔

اگر اس بدیہی دعوے کی تائید میں کسی یوروپین عالم کے اقوال سے استشہاد کرنے کی ضرورت ہو تو ہم صرف دو مشہور اور نامور مغربی عالمونکے قول پر اکتفا کرتے ہیں علامہ لاروس نے (ایک فرنچ فلاسفر) اپنی کتاب دائرۃ المعارف میں انسانی ترقی ترقی کی نسبت بحث و گفتگو کی ہے اور اسکے ضمن میں اسنے لکھا ہے کہ "انسانی ترقی کے لئے کوئی خاص حد قرار دینا ایک ایسی جرأت ہے جو معیوب خیال کی جاسکتی ہے میسیو رینان (Joseph Ernest Renan) نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ الادیان" میں لکھا ہے کہ میں نے انسان کے حالات کو بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ بعض اوقات میں نے اسکو پایا ہے

کہ وہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے سخت کوشش کرتا ہے تاکہ اُسکو وہ سبب دریافت ہو جائے جسکے باعث سے اُسکے اختیار و اقتدار کی حدود غیر متناہی ہیں نیز تاکہ وہ اس تمام مادی عالم پر مسلط ہو جائے" کیا یہ اس امر کی صحیح دلیل نہیں ہے کہ انسان اپنے جوہر کی برتری اور گرانمایگی اور اپنی خوش قسمتی کے لحاظ سے ان تمام مادی چیزوں میں ممتاز ہے جسکو قدرت نے محدود پیدا کیا ہے؟ - اس میں شک نہیں کہ نفس کی اس قسم کی جد و جہد کے مشاہدہ کرنے کے بعد ہر ایک دیکھنے والے کے دل میں نوع انسان کے احترام کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے جسکا اُسکو بخوبی استحقاق حاصل ہے اور وہ اپنی عظمت پر فخر کر سکتی ہے -

لیکن جس طرح خدا نے نوع انسان میں فضائل و کمالات کی طرف غیر متناہی درجات تک ترقی کرنے کی قابلیت ودیعت کی ہے اسی طرح رذائل کے نامحدود درجات کی طرف تنزل کرنے کی استعداد بھی اُس میں رکھی ہے - غور کرنے والوں کے لئے سب سے بہتر عبرت کا سبق قوموں کی تواریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے -

انسان دنیا میں بالکل جاہل اور ناواقف پیدا کیا گیا ہے - مگر حیوان کی ایسی حالت نہیں ہے کیونکہ خالق عالم نے بذریعہ فطری الہام کے ان تمام امور کی اُسکو ہدایت کی ہے جو اُسکی زندگی اور حفظ نوع کے کفیل ہو سکتے ہیں - وہ اپنے مقررہ درجے سے افراط اور تفریط کی طرف ہرگز مائل نہیں ہوتا اور پیدا ہونے کے ساتھ ہی وہ تمام کاروبار شروع کر دیتا ہے جو اُسکی زندگی میں موجب راحت ہیں - مثلاً وہ اپنا گھر بناتا ہے اپنے لئے خوراک تلاش کرتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو ایسا مناسب مقام تجویز کرتا ہے جہاں وہ اپنے چھوٹے بچوں کو رکھکر آسانی اور اطمینان کے ساتھ انکی پرورش کر سکے - اگر علم الحیوان کا مطالعہ کیا جاوے تو اس قسم کی صدہا باتیں معلوم ہونگی جو انسان کے لئے موجب حیرت

ہوسکتی ہیں۔ مگر انسان ان تمام خصوصیات سے بالکل محروم ہے اور اُسکو بجائے ان تمام خصوصیات کے قدرت نے ایک نہایت مہتم بالشان فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی یہ کہ اُسکو اپنی قوت فکریہ میں غیر متناہی تصرف کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

انسان باوجودیکہ جسمانی حیثیت سے نہایت کمزور اور ضعیف الخلقت پیدا کیا گیا ہے لیکن اُسکے دل میں یہ ایک فطری خیال ہے کہ وہ تمام کائنات کا بادشاہ اور اشرف المخلوقات ہے۔ پس اُسکی جسمانی کمزوری اور عاجزی اُسے اُس بلند ترین رتبہ پر پہونچنے سے نہیں روک سکتی جو قدرت نے اُسکے لئے قرار دیا ہے اور جس کی دُھندلی تصویر کبھی کبھی اُس کے وجدان میں نمودار ہوتی اور فوراً غائب ہو جاتی ہے اور اسطرح یاس و اُمید کے بین بین ایک حالت طاری ہوتی ہے جو انسان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس عظیم الشان رتبہ کے حاصل کرنے کی غرض سے جسکی کیفیت اور ماہیت مجہول ہے اور جسکا مخفی احساس نفس میں پایا جاتا ہے، اپنی تمام عقلی اور فکری قوتوں کو صرف کرے۔ یہ رفیع الشان مرتبہ جسکی دھندلی روشنی انسانی وجدان میں کبھی کبھی چمکتی اور خاموش ہو جاتی ہے نفس انسانی کی ایک فطرتی تمنا ہے اگر اس کی ماہیت کے تعین میں انسانی افراد نے بلحاظ اختلافِ امزجہ و امکنہ و ازمنہ اختلاف کیا ہے۔ اور ہر شخص نے حتی الامکان غور و فکر کرکے اپنی حالت کے مطابق اس روحانی رغبت کا سراغ لگایا ہے۔ بعض لوگوں نے جسمانی قوتوں اور بہیمی خواہشوں میں اُسکو محصور رکھا ہے۔ اُنہوں نے زیب و زینت کے لئے مختلف قسم کے سامان ایجاد کرنے اور عیش و طرب کے وسائل مہیا کرنے میں اپنی کوششوں کا سلسلہ متواتر جاری رکھا ہے جس سے مختلف قسم کے عجیب و غریب پیشے اور فنون لطیفہ پیدا ہو گئے ہیں اور مفید صنعتوں اور حرفتوں کے اصول مدوّن ہوئے ہیں۔ اور بعض نے حکومت اور سلطنت کو خیال کیا ہے

اُنھوں نے ممالک کو فتح کرنا اور رعایا کو مسخر کرنا شروع کیا۔ اس سے دنیا میں خونریز لڑائیاں واقع ہوئیں اور ان کے باعث سے ایسے علوم و معارف ایجاد ہوئے جن سے قوموں کا عروج و زوال اور انکی زندگی اور موت کے اُصول دریافت ہوتے ہیں اور جنکو قوموں کی تہذیب اور شائستگی کی تدریجی ترقی کے ساتھ نہایت گہرا ارتباط ہے۔ اور بعض نے اُسکو نفسانی ریاضت اور اخلاق کی تہذیب گمان کیا ہے۔ اس سے علوم اخلاق اور علمی مباحث اور فلسفی مسائل پیدا ہوئے جس سے عقلی مادے میں ترقی اور فکر کی قوت کے دائرے کو وسعت حاصل ہوئی۔ غرضکہ اسی طرح پر اختلاف مشارب کے باعث سے انسانی ترقی اس درجہ تک پہونچی ہے جسکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس نفسانی سعادت کی تلاش و جستجو میں یہ نفسانی تحریک اُسوقت تک جاری رہیگی جبتک کہ نوع انسان اس درجے تک نہ پہونچ جائے جو قدرت نے اُسکے لئے قرار دیا ہے۔

اس حیرت انگیز مدافعت کے اثنا میں خداوند تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرماتا تھا اور اُن پر ایسے طریقہ کی وحی کرتا تھا جو اُن زمانوں کے لئے مناسب ہوتا تھا کہ اگر انسان اُسکی پیروی کرے تو قریب ترین راہ سے دنیوی و اخروی سعادت کے اعلیٰ مدارج پر پہونچ سکتا ہے۔ چند لوگ جن کی بدولت نوع انسان کی ترقی ایک حالت سے دوسری حالت پر خدا کو منظور ہوتی تھی وہ پیغمبروں کا اتباع کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک انکی تعلیم و تلقین اور انکی ہدایتوں پر ثابت قدم رہتے تھے اور اسکے بعد وہ آسمانی کتابوں میں تحریف و تاویل کرکے انکو نوع انسان کی رہنمائی کے ناقابل بنا دیتے تھے اور بدستور اپنی باہمی مدافعت اور مخاصمت میں مصروف ہو جاتے تھے یہاں تک کہ زندگی کے قوانین فطرت انکو شائستگی کے ایک درجہ پر ترقی کرنے کے لئے آمادہ

کرتے تھے اور خداوند تعالیٰ ان میں پھر ایک رسول مبعوث فرماتا تھا جو شائستگی کے اس جدید درجہ پر ترقی کرنے میں سب کا پیشرو ہوتا تھا۔ نوع انسان کی تمام قوموں میں باہمی مخالفت اور مخاصمت کی یہی حالت رہی یہانتک کہ انسانی عقل کا نمو درجہ تکمیل کو پہونچگیا اور اُسکو نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا ہوئی۔ پس اسوقت خدا نے حضرت سید المرسلین خاتم النبیین کو ابدی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ خیالات کی آویزش اور عقلی جنگ و جدل کے جو آثار اسوقت کرۂ زمین کے باشندوں میں دیکھے جاتے ہیں ان سے ڈرنا نہ چاہیئے اور نہ یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ کسی جدید پیغمبر کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے کیونکہ یہ تمام جوش و خروش جو اسوقت ظاہر کیا جارہا ہے اور یہ چہل پہل جو تمہارے سامنے نظر آرہی ہے وہ صرف موجودہ اور آیندہ نسلوں میں اسلام کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد پیدا کرنے کی غرض سے ہے۔

"سنریهم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق اولم یکف بربک انه علیٰ کل شئ شهید"۔

"اب ہم دکھائینگے اُنکو علامتیں دنیا میں اور اُنکے نفوس میں تاکہ اُنپر ظاہر ہو جاوے کہ حق کیا ہے کیا تیرے رب کا ہر چیز پر مطلع ہونا کافی نہیں ہے۔

تکالیف الحیات

زندگی کیا چیز ہے؟ دنیا کی زندگی ایک مسلسل اور دائمی جنگ ہے جسکے ہولناک معرکوں کے سامنے بڑے بڑے تاجداروں کی گردنیں جھکتی ہیں اور جس میں امیر غریب، جاہل عالم، غلام آقا، نادان اور دانا سب برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی خصوصیت اور ترجیح حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا سرچشمہ ہے جس میں سے شیریں پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لئے سخت مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسی تلخ کامیاں نصیب ہوتی ہیں جنکا تدارک کرنا ہر شخص کو مشکل ہو جاتا ہے۔

کیا تم جانتے ہو کہ انسان کی زندگی کیا چیز ہے؟ انسان کی زندگی ایک نہایت قلیل المقدار مدت ہے جسکے رنج و الم تکالیف اور مصائب حد شمار سے باہر ہیں اس میں انسان کو ایسے حادثات کی تلوار وں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جنکے وار سے نہ تو فولادی زرہیں بچا سکتی ہیں اور نہ مستحکم قلعے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ جسوقت انسان پیدا ہوتا ہے اسیوقت سے یہ حادثات سایہ کی طرح اسکے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ وہ سن تمیز کو پہونچتا پھر جوان ہوتا اور آخر کار بڈھا ہو جاتا ہے مگر تکالیف حیات اور مصائب زندگی کے متواتر حملوں سے اسکو ایک منٹ کے لئے بھی مہلت نہیں ملتی۔ حتی کہ انسان مجبور ہو کر یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ حیوان ہوتا اور ان مصائب زندگی سے جن کی برداشت کرنے سے مستحکم اور سر بفلک پہاڑ بھی عاجز ہیں اور جو بوجہ رفیع المرتبت اور اشرف المخلوقات ہونے کے اسپر نازل ہوتی ہیں محفوظ رہتا۔

"انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان" "ہم نے ذمہ داری کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اُسکو اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور آدمی نے بے تامل اُسکو اٹھالیا۔"

انسان نہ تو کوئی آسمانی فرشتہ ہے کہ وہ خواہشوں اور رغبتوں اور نیز اُنکی منغص کرنیوالی تلخیوں سے الگ تھلگ رہے اور نہ وہ حیوانِ لا یعقل ہے کہ زندگی کی تاثیرات اور اُسکی آلام اور اسقام کا احساس اُسکے دل میں کمزور ہو بلکہ خالق عالم نے اُسکو ان دونوں مرتبوں کے بین بین ایسے درجہ پر رکھا ہے کہ اگر وہ کما حقہ اپنے نفس کا احترام کرے تو سقدر عظیم الشان رفعت اور برتری حاصل ہو سکتی ہے کہ فرشتے اُسکی خدمت کو اپنا فخر سمجھیں۔ لیکن اگر وہ اپنے نفسانی فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کرنے لگے اور بشریت کے تسلط کا مطیع و منقاد ہو جائے تو وہ تنزل اور انحطاط کے ایسے عمیق گڑہے میں گریگا کہ اُسکی ذلیل ترین اور بدترین حالت کو دیکھکر ادنی حیوانات بھی اُس سے نفرت کرینگے۔

خدا نے ازل سے ہی اُسکی قسمت میں لکھدیا ہے اور اُس میں ایسی استعداد اور قابلیت ودیعت کی ہے جس کی بدولت وہ رفعت اور کمال کے اس مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے جو اُسکی شان کے لائق ہے اور اُسکے دل کو ایک ایسی عقل کا مسکن بنایا ہے جو اُسکے سامنے تاریک حالات کو روشن کرتی اور خطرات کی قیود سے آزاد کرتی ہے بشرطیکہ مناسب طور پر اُس سے مشورہ کیا جاوے اور اُسکی ہدایتوں کے مطابق کاربند ہو۔ انسان کے گرد و پیش جسقدر مصائب اور شدائد پیدا کیے گئے ہیں اُنسے یہ غرض نہیں ہے کہ انسان بلا وجہ عذاب اور مصیبت میں مبتلا رہے یا یہ کہ (نعوذ باللہ) اُسکی فریاد و فغاں اور آہ و زاری کی آواز

خدا کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے بلکہ یہ تمام مصائب اور شدائد انسان کے لئے موجب عبرت
اور نصیحت ہوتی ہیں جو اُسکو آیندہ ٹھوکر کہانے سے محفوظ رکھتے اور ہلاکت سے بچاتے ہیں

" ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت
ایدی الناس لیذیقهم بعض
الذی عملوا لعلهم یرجعون "

" صرف لوگوں ہی کے کرتوتوں سے
کیا خشکی میں اور کیا تری میں یعنی ہر جگہ خرابیاں
ظاہر ہو چکی ہیں کہ لوگ جیسے جیسے عمل کر
رہے ہیں خدا اُنکے بعض اعمال کا مزا
اُنکو چکھاتا ہے تاکہ وہ ایسی حرکات سے باز آئیں "

بیشک جسقدر مصائب اور شدائد انسان کو محیط ہیں اور نیز وہ تغیرات جو اُسکی قریب الحصول
امیدوںکو درہم برہم کرکے مایوسی سے بدل دیتے ہیں وہ ہرگز انسان کی سعادت وفلاح
اور اُسکے حصول مقاصد کے درمیان سدِ راہ نہیں ہیں۔ پس انسان کو مثل اس نافرمان بچے
کے نہونا چاہیے جس کا باپ اُسکو سستی اور کاہلی سے منع کرتا ہے اور اسلئے وہ اپنے
شفیق باپ کو بیرحم اور قسی القلب خیال کرتا ہے۔

" الله ارأف بعبادہ من هذا
العصفور علی فرخه "

" خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے
جسقدر کہ چڑیا اپنے چھوٹے بچے پر مہربان ہوتی ہے "

ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ انسان میں اس امر کی استعداد اور قابلیت ودیعت
کی گئی ہے کہ وہ رفعت اور برتری کے ان غیر متناہی مدارج پر جن کی تحدید سے شعرا کے
تخیلات بھی قاصر ہیں ترقی کر سکتا ہے پس جبکہ یہ امر آپ کے نزدیک مسلم ہو چکا ہے تو میں دریافت
کرتا ہوں کہ وہ کونسے وسائل ہیں جو انسان کو اس ظلمتکدہ آب و گل سے اٹھا کر اس عالم نور
میں پہونچانے والے ہیں؟ کیا آپ کا یہ منشا ہے کہ آسمان سے خدا کے فرشتے نازل ہوں

اور انسان کا ہاتھ پکڑ کر اُس رفیع ترین مقام پر کھینچتے ہوئے لیجائیں جو قدرت نے اُسکے لئے قرار دیا ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ بیشک ہمارا یہی منشا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر خالق عالم نے انسان میں وہ تمام عقلی اور فکری قوتیں کیوں ودیعت کی ہیں جن کی طرف ادنیٰ التفات کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے انسان کے دل میں ایک ایسا غیر متناہی خزانہ ہے جسکے گرانمایہ جواہرات پر غور کرنے میں اُسکی تمام عمر صرف ہو جائے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے جسکے مقابلہ میں زر و جواہر کی کوئی حقیقت نہیں اور جو انسان کو اُس اعلیٰ ترین مرتبہ کی تلاش کے لئے جبراً آمادہ کرتا ہے جو دنیا میں اُسکی عظمت اور شان کے لائق ہے۔

"ما وسعتنی ارضی ولا سمائی ولا کن وسعنی قلب عبدی المومن اللین الوادع"

"میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں اور نہ آسمان میں لیکن میں اپنے اُس بندہ کے دل میں سما سکتا ہوں جو با ایمان اور نرم خو ہے۔

اے حضرت انسان! آپ اپنے نفس سے غافل اور اپنے اشرف ترین فضائل سے بالکل بے خبر ہیں۔ آپ کو ہرگز مناسب نہیں ہے کہ آپ شاعروں کے خرافات کو سنکر جھومنے لگیں اور زمانہ کی مذمت اور گذشتہ اور آیندہ حالات پر نوحہ کرنے میں اُنکا ساتھ دیں۔ آپنے اپنی تمام عمر مصائب کا خیال کرنے اور حادثات سے ڈرنے اور نیز ایسے دور از کار اوہام اور خیالات خام کے پختہ کرنے میں صرف کی ہے جن سے حیوانات بھی نفرت کرتے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے لئے جس کی بلند پرواز فکر آسمان کے ستاروں اور عالم کے عجائبات پر محو ہو یہ بات مناسب ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھکر پستی اور دناءت کے اس درجہ پر اُتر آئے کہ وہ ان تمام عظیم الشان مواہب قدرت کو ایسے کاموں میں

صرف کرنے لگے جو سراسر موجب رسوائی ہیں اور جب اُسکی بد اعمالیوں کے ناگوار نتائج ظاہر ہوں اور اُسکو خوابِ غفلت سے بیدار کریں تو مارے خوف کے کانپ اُٹھے اور عورتوں کی طرح رونے اور چلانے اور عبرت اور نصیحت کی طرف سے آنکھوں کو بند کر کے آنسو بہانے لگے اور اسطرح ان اشرف ترین فضائل کو ضائع کرتا رہے جو اُسکو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچانے کے لئے عطا ہوئے ہیں۔

"ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمان بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ خسر الدنیا والاٰخرۃ ذلک ھو الخسران المبین"

"اور لوگوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی عبادت تو کرتا ہے مگر اُکھڑا اُکھڑا کر اگر اُسکو کوئی فائدہ پہنچگیا تو اُسکی وجہ سے مطمئن ہوگیا اور اگر اُسپر کوئی مصیبت آپڑی تو جدھر سے آیا تھا اُلٹا اُدھر ہی کو لوٹ گیا اُسنے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ صریح گھاٹا ہی گھاٹا ہے"

اے حضرتِ انسان! جنکو آپ مصائب خیال کرتے ہیں وہ صرف خدا کے جبار کا دستِ قدرت ہے جو آپ کو اُس غرض و غایت کی طرف متوجہ کر رہا ہے جو آپ کی پیدائش سے مقصود ہے اور تمہاری مسلسل گمراہی نے جس سستی و کاہلی اور جمود و خمود میں بتلا کر رکھا ہے اُس سے تمکو بار بار چونکا رہا ہے۔ بیشک جس خالق نے تمکو بیجان اور ٹھوس مٹی سے پیدا کیا ہے اور اس پست ترین مرتبہ سے کمال کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہا ہے اُسنے انسان کے سر پر تین چیزیں ایسی مسلط کی ہیں جنکی مشکلات پر اگر غور کیا جائے اور اُنکے اسباب اور نتائج کی نسبت فکر کیجائے تو انسانی سعادت و فلاح کا وہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہے جسکو انسان تلاش کر رہا ہے اور جس کی حسرت میں مر رہا ہے

حالانکہ وہ طریقہ اُسکی آنکھوں کے سامنے ہے اور ضرورت صرف اسباب کی ہے کہ وہ اس سیدہی سڑک پر روانہ ہو جائے اُسکے بعد منزل مقصود تک پہونچنے میں کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا۔

وہ تین چیزیں جو انسان پر قدرت کی طرف سے مسلط کی گئی ہیں یہ ہیں (۱) طبیعت (۲) نفس انسانی (۳) بنی نوع انسان۔ طبیعت انسان کے جسم کی اصل ہے جسپر اسکی جسمانی راحت اور مادی صلاح و فلاح کا انحصار ہے۔ جسوقت انسان پیدا ہوا اور اس مادی عالم میں ڈالا گیا تو اُسکو بیشمار نوامیس فطرت اور عوارض طبعی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اسوقت وہ برہنہ جسم اور خالی ہاتھ تھا، کوئی ہتیار اُسکے پاس موجود نہ تھا۔ سورج کی حرارت، زمین کی رطوبت، آسمان کی موسلا دہار بارشیں اور جنگلوں کی لوئیں اُسکو تکلیف دیتی تہیں۔ وحشی درندے اپنے مہیب دانتوں اور تیز پنجوں سے اُسکو ڈراتے تہتے غرضکہ ان مصائب کے درمیان انسان ایسے تیروں کا نشانہ بن رہا تہا جن سے کوئی سپر اُسکو محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ پس اگر مثل دیگر حیوانات کے اُسکی قوتیں محدود ہوتیں تو اُسکے لیئے ایک منٹ بہی زندہ رہنا ناممکن تہا۔ مگر خداوند تعالی نے اُسکو ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کی مدد سے وہ طبیعت کو مغلوب و مقہور اور نیچر کی قوتوں کو مسخر کرسکتا ہی غرضکہ انسان نے عوارض طبعی کے مقابلہ میں اپنی ہمت اور اولوالعزمی کو استقلال کے ساتھ قائم رکھا اور اپنی فکر کے تیز ہتیار کے ساتھ معرکہ آرائی کرتا رہا۔ ابتدا میں اُسنے ایسی صنعتیں ایجاد کیں جو اسوقت اُسکی حفاظت کے لیئے کافی نہیں اور اُنکی اصلاح میں کوشش کرتا رہا اور بتدریج ترقی کرنی شروع کی۔ یہانتک کہ غاروں کی سکونت کے بعد اُسکو مکانات کے تعمیر کرنے پر دسترس حاصل ہوئی اور اسکے بعد کہ وہ درختوں کی جڑوں

اور انکے پتوں سے اپنی قوت لایموت حاصل کرتا تھا زمین کو جوتنے اور بونے اور غلہ حاصل کرنے لگا۔ مگر طبیعت ایک لحظہ بھی اس سے غافل نہیں رہی تاکہ اس کی ہمت میں سکوت اور اسکی حرکت میں سکون نہونے پاوے پس جسوقت وہ کسی کام کو نہایت اتقان اور استحکام کے ساتھ تیار کرکے فارغ اور مطمئن ہوتا تو طبیعت فوراً اسپر حملہ کرکے اسکو درہم برہم کر دیتے تھے اور وہ مجبوراً پھر اسکی اصلاح میں مصروف ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی مدافعت اور مخاصمت کا سلسلہ ہمارے اور طبیعت کے درمیان آجتک جاری ہے۔

یہ مسلسل اور دائمی جدال وقتال جو ہمارے اور طبیعت کے درمیان ابتداے آفرینش سے ہو رہا ہے اسکا ایک نتیجہ انسان کی وہ مادی ترقی ہے جسکو ہم آج لنڈن اور پیرس میں بلحاظ عجیب وغریب صناعات اور حیرت انگیز ایجاد و اختراعات کی دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے حالات اگر کسی مشرقی شخص کے سامنے بیان کئے جاویں تو وہ کہنے والیکو مجنون خیال کریگا۔ یہ مادی ترقی طبعی طور پر نہایت عظیم الشان ادبی ترقی کو مستلزم ہے کیونکہ مادی ترقی بغیر عقلی قوت کے کام میں لانے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ یہی قوت تمام انسانی فضائل و کمالات کی بنیاد ہے۔

بس دیکھو جن چیزونکو ہمارے آبا و اجداد تکالیف اور مصائب خیال کرتے تھے کس طرح انہوں نے انسان کو ترقی اور خوش حالی کے لیئے اکسایا اور اسکو حیوانیت کے گڑھے سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر پہونچایا ہے ؟ کیا اسکے بعد بھی یہ بات جائز ہے کہ ہم ان مصائب کی مذمت کریں حالانکہ صرف وہی انسانی فکر کو اسباب سعادت و فلاح کی طرف متوجہ کرنے والے ہیں ؟ کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم بجاے رونے اور

چلانے کے ایسے وسائل استنباط کریں جو ان طبعی مصائب کی مضرتوں کو ہلکا کرنے والے ہوں؟ جبکہ یہ امر انسانی فکر کی قدرت سے باہر نہیں ہے کہ وہ ایک ایسا آلہ ایجاد کرے جو بجلی کو گرفتار کرکے اسفل السافلین تک لیجائے تو یہ بات کیونکر اُسکے امکان سے خارج ہوسکتی ہے کہ وہ کوئی ایسا سیدھا سادہ طریقہ دریافت کرے جس سے ان کیڑوں کے نقصانات کم ہوجائیں جو روئی کی فصل کو بسا اوقات برباد کردیتے ہیں اور جنکے مقابلہ سے ہمارے ملک کے کاشتکار بالکل عاجز ہیں۔ یوروپین قومیں طبعی حادثات کے علل واسباب کا سراغ لگانے کی عادی ہیں اور جسوقت کوئی نیا حادثہ واقع ہوتا ہے تو وہ فوراً اُسکے اسباب کی جستجو شروع کردیتے ہیں اور اُسکا علاج دریافت کرتے ہیں تاکہ اُسکا دفعیہ ہو یا کم از کم اُسکے نقصانات میں تخفیف ہو۔ وہ اپنی کوششوں میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے حتےکہ آخرکار اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُنکو اس امر کا یقین کلی حاصل ہے کہ انسانی فکر میں وہ تمام طریقے موجود ہیں جو اُنکی آیندہ زندگی کے کفیل ہیں جیسے کہ وہ گذشتہ میں تھے۔ اور یہی اُنکی موجودہ حیرت انگیز ترقی کا اصلی سبب ہے۔

انسانی ترقی میں دوسری جو چیز موثر ہے وہ خود نفس انسانی ہے۔ یہ موثر نہایت قوی اور اُسکی تاثیر نہایت زبردست ہے۔ پہلے موثر کی نسبت اُسکو صرف یہی امتیاز حاصل ہے کہ وہ معنوی ہے۔ ہر ایک انسان اس امر کا احساس کرتا ہے کہ اُسکا وجدان ایک نہایت وسیع میدان ہے جو مختلف خواہشوں اور رغبتوں اور بیشمار امیدوں کا جولانگاہ بن رہا ہے کوئی شخص نہ ان چیزوں کو اپنے وجدان سے نکال سکتا ہے اور نہ اُنکی اس تاثیر کو جو وجدان پر ہوتی ہے باطل کرسکتا ہے۔ اس بارہ میں اُس کی تمام کوششیں یقینی بیکار

ہونگی۔ چونکہ یہ خواہشات قوانین محسوسات کی حدِ قید اد سے خارج ہیں اسلئے اعتدال کی میزان میں انکا وزن کرنا ناممکن ہے اور چونکہ یہ تعینِ تحدید کے اعتبار سے باہر ہیں اسلئے انسان اپنی آنکھوں سے اس مرکز کو نہیں دیکھہ سکتا جس کی طرف وہ اضطراری طور پر کھنچا ہوا جارہا ہے اور نیز چونکہ یہ امیدیں احکام قناعت کی فرمانبرداری سے آزاد ہیں اسلئے انکو کسی خاص نقطہ پر ٹھیرانا ناممکن ہے بلکہ خالق عالم کی قدرت اور حکمت کا یہی منشا ہے کہ یہ اندرونی موثرات ہر ایک قید سے آزاد اور ہر ایک حد سے متجاوز اور ہر ایک رابطہ اور ضابطہ سے باہر ہیں اور چونکہ ان میں ایک قوی تحریک اور زبردست تاثیر ودیعت کی گئی ہے اسلئے وہ انسان کے وجدان میں مثل اُن موجوں کے ہیں جو مقابل کی سمتوں سے اُٹھتی اور نہایت زور و شور کے ساتھہ باہم ٹکراتی ہیں۔ انکا جوش و خروش اور تلاطم اور تصادم اسقدر ہولناک ہوتا ہے کہ خود انسان جسکے دل سے یہ لہریں پیدا ہوتی ہیں خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اُس شکستہ حال شخص کی طرف دیکھو جو پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہوئے اس درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا ہے اور جسکے چہرہ سے مایوسی اور سراسیمگی کے آثار ظاہر ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ اُسکا ظاہری سکون اُسکے باطنی سکون پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہ فقر و فاقہ کے صدمات نے اُسکے دل کی پوشیدہ امیدوں اور وجدانی لہروں میں سکون پیدا کر دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُسکی حالت ان نفسانی انفعالات کے لحاظ سے اُس عظیم الشان شہنشاہ کی نسبت ہرگز کم نہیں ہے جو ایک مہذب اور شائستہ اور ترقی یافتہ قوم میں تخت و تاج کا مالک ہے۔ کمزور انسان اس کرۂ زمین پر محدود جسم کے اندر ایک غیر محدود چیز پیدا کیا گیا ہے۔ اُسکے دل میں جس کی مقدار

چند انچہ سے زیادہ نہیں ہے ایک ناپیدا کنار سمندر موجزن ہے۔ وہ کائنات کی محدود اور مشہود چیزوں میں سے کسی چیز پر صرف اُسوقت تک اطمینان کرسکتا ہے جب تک کہ اُسکو محقق طور پر معلوم نہو جائے کہ اُس چیز سے ایک ایسی کشتی نہیں بن سکتی جسکے وسیلے سے اُس ناپیدا کنار سمندر کو عبور کرنا ممکن ہو جسکی موجونکے تلاطم کی ہولناک آواز وہ اپنے دل میں سنتا ہے۔ بیشک انسان نے اُس چیز کی تلاش و جستجو میں جو اُسکے نفس کی باطنی تمنا ہے ابتدائے آفرینش سے اپنے مقدور بھر کوشش کی ہے اور اسی دھن میں اُسنے ہر راستہ کو ٹٹولا اور ہر میدان کو پے سپر کیا ہے اور وہ ہر نشیب میں اُترا اور ہر ایک بلندی پر چڑہا ہے۔ ان سرتوڑ کوششونکے درمیان اُسکو ایسے موانع پیش آتے تھے جو اُسکو آگے بڑہنے سے روکتے تھے اور اس طرحپر اُسکو اُس چیز کی ماہیت میں جو اُسکو کہینچے لئے جارہی ہے اور جس کی طرف وہ جارہا ہے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی تہی پس وہ اپنی غلطیونکی اصلاح کرتا اور اپنی کوششوں میں بہ نسبت سابق کی کسیقدر ترقی کرتا تہا۔ اُسکے بعد آگے چلکر پہر اُسکو حادثات اور مشکلات دامنگیر ہوتے تہے اور اُسکو معلوم ہوتا تہا کہ اُسکی غرض و غایت ان تمام امور کی نسبت بالاتر ہے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اُسنے پستی سے بلندی کی طرف ترقی کی ہے۔ اور اب یہانتک نوبت پہونچگئی ہے کہ جب انسان کا نفس اپنی تمنا کا مطالبہ کرتا ہے تو اُسکو بجائے زمین میں تلاش کرنے کے جیسا کہ پیشتر اُس کی عادت تہی اب آسمان میں تلاش کرتا ہے۔

انسانی ترقی میں تیسری چیز جو موثر ہے وہ نوع انسان ہے یہ بذات خود اور مستقل طور پر موثر نہیں ہے لیکن سابق موثر کا نتیجہ ہے۔ چونکہ نوع انسان میں جو سخت ترین

انقلابات ہوئے ہیں وہ اسی موثر کے نتیجے ہیں اسلئے ہمنے اسکو مستقل موثر تسلیم کرلیا ہے۔
ہم مکرر بیان کر چکے ہیں کہ انسان اس امر میں تمام کائنات سے ممتاز ہے کہ اس کی خواہشیں اور رغبتیں ہر قسم کی قیود سے آزاد اور اسکے انفعالات ان تمام حدود سے متجاوز ہیں جو تصور کے احاطہ میں آسکتی ہیں۔ بخلاف حیوانات کے کیونکہ وہ ایسے قواعد کے اندر محدود پیدا کئے گئے ہیں جنسے وہ ہرگز تجاوز نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ پس جبکہ یہ بات محقق طور پر آپ کو معلوم ہو چکی ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس فطری بے قیدی کے عالم میں اسکی کیا بری نوبت ہوتی اگر اسکی زندگی میں ایسے امور پیش نہ آتے جو اسکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں اور رغبتونکو توسط اور اعتدال کے نقطے سے آگے نہ بڑھنے دے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ اس امر کا اقرار نہیں کرتے کہ اس صورت میں اسکا وجود صفحہ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔ یا اگر باقی رہتا تو وہ ایک ایسے سیلاب کے ساتھ بہتا ہوا چلا جاتا جسکو وہ منزل مقصود پر پہونچانیوالا خیال کرتا ہے اور آخر کار اسکا یہ خیال باطل ثابت ہوتا اور نہایت بدترین حالت کی موت اسکا کام تمام کردیتی۔
فرض کرو ایک شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حقیقی سعادت صرف دولت و ثروت سے حاصل ہو سکتی ہے مگر نہ دولت و ثروت کے انواع و اقسام محدود ہیں اور نہ اسکی کوئی حد و انتہا اسکے ذہن میں منقوش ہے۔ پس میں پوچھتا ہوں کہ اس خطرناک راہ میں جو انسانی خصائل کے لئے ایک مہلک چیز ہے اسکی کیا حالت ہوگی اگر اسکے سامنے ایسے موانع پیش نہ آئیں جو اسکو تھوڑی دیر کے لئے روکیں اور اسکو اس معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لئے مجبور کریں کہ مثلاً اگر وہ ہزار برس تک زندہ رہیگا اور حصول دولت و ثروت میں کوششونکا سلسلہ برابر جاری رکھیگا تاہم وہ اپنی انتہائی امیدونکو نہیں پہونچ سکیگا یا

مثلاً اگر وہ رفتار دن وقت بھی ہو جائیگا تب بھی اُسکو سعادت و فلاح حاصل نہ ہو گی۔ بیشک جسنے انسان کو پیدا کر کے اُسکے خیالات کو ہر قسم کی قیود سے آزادی عطا فرمائی ہے اُسی نے اُنکے مقابلہ میں ایسے مانع پیدا کئے ہیں جو ان کو افراط سے باز رکھنے والے ہیں۔ اور نیز اُسنے ایسے اسباب پیدا کئے جو تفریط سے روکنے والے ہیں۔ جو امور انسان کو تفریط سے روکنے والے اور پیشقدمی کے لئے اُکسانے والے ہیں اُن کو ہم گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر وہ موانع جو اُسکو افراط سے باز رکھنے والے اور مطالب اور مقاصد میں نقطۂ اعتدال پر قائم رہنے کے لئے مجبور کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم خود بنی نوع انسان کی مقاومت اور مزاحمت ہے۔ یہ مزاحمت دو بڑی قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔ اول ایک قوم کے افراد کی باہمی مزاحمت ہے۔ اور دوم وہ مزاحمت ہے جو زندگی کے کاروبار میں قوموں کے درمیان ہوتی ہے۔ یہی دونوں قسمیں "تنازع البقا" (struggle for existence) کے نام سے موسوم ہوتی ہیں اور انہیں دونوں کی بدولت انسان کو اُن تین عظیم الشان اُمور کا سبق حاصل ہوا ہے جنپر قوموں کی زندگی کا انحصار ہے۔

ان عظیم الشان اُمور میں اول یہ ہے کہ اپنے حق سے کسیوقت بھی غفلت جائز نہ رکھنا کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو قوم بالکل اپنے درجے سے گر جائیگی۔ دوم قواعد عدل سے واقف ہونا کیونکہ جور اور ظلم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُسکی ہمسر دوسری قومیں دشمنی اور عداوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں جسسے اُسکی حالت تباہی کے قریب پہونچ جاتی ہے اور وہ اپنے تمام حقوق سے محروم ہو جاتی ہے۔ سوم تمام نوع انسان کا پوری طرح احترام کرنا۔ تینوں امور جسطرح کہ کاربار کا معیار ہیں اسی طرح وہ ان عظیم الشان قوموں کے درمیان جو آزادی اور استقلال کی

نعمت سے متمتع ہیں باعث نظام ہیں۔ پس اگر کوئی صاحب استقلال قوم اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ مقابلہ کرنا ترک کر دے تو یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنے مطالب اور مقاصد میں اُس سے آگے بڑھ جائینگی اور وہ قوم اُن تمام وسائل سے محروم ہو جائگی جن پر اُس کی زندگی کا قیام منحصر ہے۔ کوئی شخص ان ترقی کرنے والی قوموں کو ظالم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی قوم ظالم اور گنہگار شمار کی جاویگی جسنے ان تمام قوتوں کا استعمال کرنا ترک کر دیا ہے، جو قدرت نے اُس میں ودیعت کی تھیں۔ جو شخص انسانی گروہوں کے حالات پر غور کریگا اُسکو انکی باہمی مسابقت اور مزاحمت کے عجیب و غریب واقعات معلوم ہونگے۔ امر دوم عدل ہے۔ اسکی ادنی خاصیت یہ ہے کہ جس قوم پر اسکا مبارک سایہ پڑتا ہے اُسکے افراد میں اپنے حقوق کی نسبت ایک دوسرے پر کلی اطمینان ہوتا ہے اور کسی کو کسی سے جور و تعدی کا اندیشہ نہیں رہتا اس سے افراد قوم کے درمیان اتحاد و ارتباط پیدا ہوتا ہے اور وہ متفق ہو کر اپنی مشترک غرض کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور وہ مشترک غرض تمام قوم کی فلاح و بہبود ہے۔ عدل کے بہترین نتائج کی اگر کوئی محسوس دلیل دیکھنا چاہے تو اسکو موجودہ اور گذشتہ قوموں کی تاریخ پر بنظر تعمق غور کرنا چاہیے۔

نوع انسان کے احترام کی خصلت جسوقت کسی زندہ قوم کے نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو اُسکے مقابلہ میں وہ تمام ہتھیار کند ہو جاتے ہیں جو زندگی کی کشمکش (تنازع البقاء) کی تاثیر سے اُسکی طرف اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمسایہ قوموں کی حرص و طمع کی بھڑکتی ہوئی آگ خاموش ہو جاتی ہے اور اُسکو اپنی اس خصلت کی وجہ سے اسقدر اطمینان ہوتا ہے جسقدر اُسکو اپنی عظمت اور قوت پر نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اپنے اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تینوں امور اولی

مؤثرات (یعنی طبیعت اور نفس انسان اور بنی نوع انسان) اور اُنکے ساتھ بے شمار فروعی نوامیس فطرت جو انسانی ترقی کا باعث ہیں اُنکو خالق عالم نے اسلئے مسلط کیا ہے کہ انسان وحشت اور حیوانیت کے درجے سے شائستگی اور انسانیت کے درجے پر ترقی کرے۔

الدین والعلم

مذہبی اور علمی گروہوں میں جو معرکہ آرائی آپ دیکھتے ہیں وہ قریب زمانہ کی پیداوار نہیں ہے۔ ہمکو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانوں میں اکثر قوموں کی یہی حالت تھی کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان جدال و قتال کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمارے زمانہ کی نسبت قدیم زمانوں کے علمی اور مذہبی جدال و قتال نہایت سخت اور بربادکن ہوتے تھے۔ اکثر قوموں کے فلاسفر قتل کئے گئے یا زہر سے ہلاک کئے گئے اور آگ میں جلائے گئے اور اُنکا صرف یہی جرم تھا کہ وہ اپنے ہموطنوں کی عقلوں کو روشن اور اوہام اور خرافات کی زنگ سے صاف کرنا چاہتے تھے۔ مگر ہمارے زمانہ میں جیسا کہ مسیو برٹلو (M. Berthelot) کا قول ہے علم کو پوری آزادی حاصل ہو چکی اور یہ خطرہ باقی نہیں رہا کہ علم پر مذہب کو پھر کبھی غلبہ حاصل ہو سکے۔ مسیو برٹلو کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ ہم اہل مغرب کی اکثر تالیفات دیکھتے ہیں جو مذاہب کی نسبت طعن و تشنیع سے لبریز ہوتی ہیں جس سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مذہب سے اس طرح نکل گئے ہیں جسطرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

اُنہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ مذاہب کو صفحۂ ہستی سے محو ہو جانے کی دہمکی دے رہے ہیں۔ کیونکہ انکے خیال میں وہ علمی قواعد اور ان اصول فطرت پر منطبق نہیں ہے جو انسان کو ترقی دینے والے ہیں۔

بیبو بنجامن کونسٹان (Banjamin Constans) نے ایک کتاب تالیف کی ہے جسکا نام (مذہب اور اُسکا سرچشمہ اور اُسکی شکلیں اور اُسکی ترقی) ہے۔ اس کتاب میں مولف نے اُن امراض سے بحث کی ہے جنہوں نے باطل اعتقادات کی مدد سے انسانی گروہوں کے جسم کو کہلا ڈالا ہے۔ اور اسکے بعد اُسنے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان مزمن امراض کا علاج شخصی آزادی، کانشنس کی آزادی، اعتقاد کی آزادی اور بالاجمال تمام ضروری آزادیوں کے بغیر ناممکن ہے۔ اسکے بعد اسنے لکھا ہے کہ "اس طریقہ سے مذاہب اپنے ہر قسم کے زنگ اور مَیل سے پاک صاف ہو جائینگی۔ مگر ہمکو خیال نہیں ہے کہ ایسا ہو سکے۔ کیونکہ مذہبی اصول اور قواعد میں سے کوئی اصل اور قاعدہ ایسا نہیں ہے جسکو زنگ نہ کہا چکا ہو۔ اور چونکہ یہ اصول اور قواعد علم کے منافی ہیں اسلئے یہ امر یقینی ہے کہ تمام مذاہب اور ادیان بالضرور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائینگی"۔ ہمکو نہایت تعجب ہے کہ ایک نہایت مشہور اور نامور عالم بغیر کسی استثنا کے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشین گوئی کرے۔ حالانکہ اُسنے تمام مذاہب کے اصول پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسلام پر غور کرتا اگرچہ یہ غور سطحی اور سرسری ہوتا تاہم اُسکو محقق طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی کہ اُسکا کوئی اصول علم سے متناقض نہیں ہے جیساکہ اُسکے ذمہ تہمت لگائی جاتی ہے۔ اس فصل میں ہم وہ سخت ترین مطاعن نقل کرتے ہیں جو یورپ کے مشاہیر علما نے مذاہب کی نسبت عائد کئے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو اہل یورپ

کے علمی خیالات کا رجحان معلوم ہوجائے اسکے بعد ہم اسلام کے اصول بیان کرینگے تاکہ محقق طور پر ثابت ہوجاوے کہ اسلام انسانی نفوس کی انتہائی تمنا ہے۔

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ مسیو کونستان نے تمام مذاہب کی نسبت زوال کی پیشین گوئی کی ہے۔ اب ہم صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ اُسنے اپنے دعوے کو فلسفی طور پر ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہر ایک قاعدہ خواہ وہ موجودہ حالت میں کتنا ہی مفید ہوتا ہم یہ امر ضروری ہے کہ اسکے ساتھ کوئی نہ کوئی شاخ ایسی ضرور لگی ہوگی جو آیندہ زمانے میں ترقی میں سدراہ ہوگی۔ کیونکہ وہ قاعدہ ایک عرصہ کے بعد ایک ساکن شکل اختیار کرلیگا جسکا اتباع انسانی عقل کے لئے اپنے اکتشافات میں جن کی روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے ناممکن ہوگا۔ اور جب ایسا ہوگا تو اُس منجمد قاعدہ کا مذہبی احترام دلوں سے مفقود ہوجائیگا اور ایسے اصول و قواعد کی تلاش ہوگی جو ان جدید ترقیات اور اکتشافات کے منافی نہیں ہیں"

علماے یورپ نے نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ انسان کا مطالعہ کیا ہے اور اُنہوں نے وہ طریقہ دریافت کرلیا ہے جسپر انسان کو سعادت و فلاح حاصل کرنے کی غرض سے چلنا ضروری ہے۔ ان کو معلوم ہوا ہے کہ انسان صرف اُسیوقت اپنا وہ اہم فرض ادا کرسکتا ہے جسکے واسطے قدرت نے اُسکو پیدا کیا ہے جبکہ وہ اپنی ان تمام خصوصیتوں اور قوتوں کو جو خدا نے اوس کو عطا فرمائی ہیں، کام میں لاوے اور اپنی کسی فطری خصلت اور رغبت کو قتل نہ کرے۔ اسکے بعد اُنہوں نے گذشتہ زمانہ پر نظر کی، ان کو معلوم ہوا کہ جس چیز نے انسان کو اُس ارفع ترین مقام پر پہونچنے سے باز رکھا ہے جو قدرت نے اُسکے لئے مہیا کیا ہے وہ ان لوگوں کے احکام کی فرمانبرداری ہے جو روحانی رؤسا اور مذہبی پیشرو ہونے کے

مدعی تھے۔ علماے یورپ نے ان لوگوں پر سخت طعن و تشنیع کی ہے اور انکی تعلیمات کو انسانی تنزل کا موجب ٹھیرایا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ ویبرنیش نے مذہب کی نسبت تمسخر کے لہجہ میں لکھا ہے کہ "مذہبی فضیلت اور بالخصوص اعلی درجہ کی فضیلت جو اولیاء اللہ کے ساتھ مختص ہے یہ ہے کہ تم سیاسی اور تمدنی زندگی کو خیرباد کہو اور تمام دنیوی کاروبار کو مثل ایک لغو اور باطل چیز کے ترک کرو۔ تاکہ تمہارے لیئے یہ امر ممکن ہو کہ تم رنج و غم اور شکستہ دلی کے ساتھ جنت کے انتظار میں سو سکتے رہو۔ اور اپنی تمام طبعی خصلتوں اور رغبتوں کو قتل کرڈالو اور اپنے نفس کو مٹادو"۔ علماے یورپ کی راے ہے (جس کی حسی دلیل انکے سامنے موجود ہے) کہ انسان کی ترقی علم کی ترقی اور اسکے نشو و نما پر منحصر ہے اور علم کی ترقی اور اس کا نشو و نما اس بات پر موقوف ہے کہ عقل کو اسکی قیود سے آزاد کیا جاے اور علمی مباحث کے لیئے کسی قسم کی کوئی مزاحمت اور روک ٹوک باقی نہ رہے تاکہ اس مزاحمت سے وہ بدترین نتائج پیدا نہوں جو قدیم زمانوں میں علمی اور مذہبی گروہونکے باہمی جدال و قتال سے پیدا ہوے تھے۔ مسیو بلاک (Block) کہتا ہے کہ "قوت فکری کی ترقی اور کائنات کی چیزوںکی نسبت صحت کے ساتھ حکم لگانا علم کی نشو و نما پر منحصر ہے۔ ہم اپنی معلومات کی ترقی اور اشیا کی نسبت نہایت تدقیق کے غور و فکر کرنے کے ذریعہ سے ایسے نتائج پر پہونچے ہیں جنھوں نے ہماری اکثر سابقہ گمراہیونکو مٹادیا ہے۔

علماے یورپ کا اعتقاد ہے کہ عقل اور علم کی آزادی پر انسان کی مادی اور ادبی سعادت و فلاح کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب قدیم زمانہ کی تاریخ لکھتے ہیں تو بیحد غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ اسکے متعلق علامہ لاروس کے اقوال میں سے

ہم ایک چھوٹا سا ٹکڑہ نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "جب کہ ہم کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ہم معقول چیزوں کا اعتقاد رکھیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، پھر وہ انسانی عقل کے مطیع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو عدل و ظلم اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنیکا دعویٰ کرتی ہے۔ اور جبکہ وہ عقل اور بصیرت کو اسقدر اندھا کر دیتے ہیں کہ کرامات اور خوارق عادات اسکو بالکل معمولی اور عادی امور معلوم ہوتے ہیں اور وہ سفید کو سیاہ اور بدی کو نیکی سمجھنے لگتی ہے تو مذہب آکر کہتا ہے کہ اطاعت کرو۔ کس کی اطاعت کریں؟ ہم آیا عقل کی اطاعت کریں؟ اپنے نیچرل فرائض کی؟ دلی احساسات کی؟ حقیقی قوانین فطرت کی جو انسان کے لئے مفید ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مگر تم اندھے بنکر اُس شخص کی اطاعت کرو جو خدا کے نام سے حکم دیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہ کے قتل کرنے یا باپ کے مار ڈالنے کا حکم دے یا ایک قتل عام برپا کرنے پر آمادہ کرے۔ کیونکہ تجھ میں نہ روح ہے اور نہ ضمیر۔ بلکہ تو خدا میں فنا ہو چکا ہے"۔

موجودہ مذاہب کی نسبت علمائے یورپ کی مخالفت اور عداوت اس درجہ تک پہونچ گئی ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اُنہوں نے دین کو اس خیال سے بالکل چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے علوم و فنون کی باعث انسان اور کائنات کو پیدا کرنے والے کے سامنے گردن جھکانے سے بالکل مستغنی ہو گئے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اہل مذاہب کے ساتھ اس امر کا اقرار کرتے اور علمی مباحث سے استدلال کرکے اُسکو ثابت کرتے ہیں کہ مذہبی احساس نفس انسانی میں ایک فطری اور خلقی امر ہے جو اپنی وضاحت اور تاثیر کے لحاظ سے اُس احساس سے ہرگز کم نہیں ہے جو انسان کو غذا کی ضرورت کا ہوتا ہے۔ علامہ جیرلہ (Schleiermacher) جو جرمن کا ایک مشہور

فلاسفر ہے اپنی کتاب تاریخ الاعتقادات میں لکھتا ہے کہ " مذہب مثل اُس احساس کے جسکا وہ نتیجہ ہے ہمیشہ رہنے والی چیز ہے - مگر مذہبی علوم مثل دیگر علوم وفنون کے ہیں جو رفتہ رفتہ اُس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں جسقدر کہ انسانی عقل ترقی کرتی ہے - اور ایسا ہی تعلق ہمیشہ حقوق اور علم قوانین کے درمیان موجود رہتا ہے - حقوق میں تغیر تبدیل نہیں ہوتا مگر علم قانون میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے اور اُسکی اصلاح ہوتی جاتی ہے -

میسیو ارنسٹ رینان (M. Earnest Renan) اپنی کتاب تاریخ الادیان میں لکھتا ہے کہ " ممکن ہے کہ وہ تمام چیزیں جنسے ہمکو محبت ہے اور جن پر ہماری زندگی اور ہمارا عیش وآرام منحصر ہے معدوم ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ عقل کی آزادی اور صنعت وحرفت کی آزادی باطل ہو جائے لیکن یہ امر محض ناممکن ہے کہ تدین جو انسان کی فطری خصلت ہے دنیا سے معدوم ہو جائے بلکہ وہ ابدالآباد تک باقی رہیگی اور مادی مذہب کے بُطلان پر ایک ناطق دلیل ہوگی جو انسانی فکر کو جسمانی زندگی کی شرمناک تنگیوں میں محصور رکھنا چاہتا ہے "

غرضکہ مستند علماے یوروپ کے ایک گروہ کثیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے نفس سے تدین کی فطری خصلت کا زائل ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ الفت اور نفرت کی خصلت کا زائل ہونا - لیکن تاہم یہ بھی اُنکے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو موجودہ اور آیندہ تمام انسانی گروہوں کا عام مذہب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو - کیونکہ اُنکے خیال کے مطابق ان تمام مذاہب کے اصول علمی قواعد پر منطبق نہیں ہیں - بلکہ اکثر مذہبی نصوص عقلی بدیہات کے برخلاف ہیں - اور اُسنے اکثر امور کو ایسے طور پر مخفی کیا ہے جو انسانی

خیالات اور ادراکات کی موجودہ آزادی کے منافی ہیں۔ اسیوجہ سے یوروپ کا ایک فلاسفر کہتا ہے کہ "مذہب دنیا سے نیست و نابود ہونیوالا نہیں ہے اگر اُسکے اصول و قواعد حدود اور قیود سے آزاد ہوں جیسا کہ انسان کو غیر متناہی مدارج تک ترقی کرنیکی آزادی حاصل ہے۔" اور نیز اسیوجہ سے بعض علماے یوروپ کا قول ہے کہ "موجودہ مذاہب میں سے اگر کوئی مذہب اُس دینی احساس میں جو انسان کی جبلت میں فطری طور پر راسخ ہے اور زندگی کے مطالب اور فرائض میں اتفاق اور ائتلاف پیدا کر سکتا ہے اور وہ اُس مقام تک ہمارا ساتھ دیسکتا ہے جہانتک ہمکو علمی مباحث نے پہونچایا ہے تو ہمکو قطعی طور پر اُسکا اعتراف کرنا لازم آتا ہے۔" لاروس مذہبی نظامات کی نسبت طعن کرنے کے بعد لکہتا ہے کہ "جو چیز انسان کو اپنے فرائض کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہ مذہب نہیں ہے بلکہ وہ عام خیال اور قوت طبیعت اور نیز وہ احساسات ہیں جنکی نشو و نما سوسائٹی اور خاندان کے درمیان ہوتی ہے۔ جسقدر کہ معلومات اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسیقدر یہ عام خیال بھی اپنی موجودہ سطح سے اونچا ہوتا جاتا ہے اگر آپ مذہب کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایسے عمدہ خیالات کا مجموعہ ہے جو تمام انسانی افراد کو ایک ایسی سوسائٹی میں مربوط کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جسکی افراد مادی فوائد سے متمتع اور روشن خیال ہوں تو بیشک اس صورت میں آپ کا یہ قول بالکل صحیح ہوگا کہ مذہب نوع انسان کے لئے ایک ضروری اور لابدی چیز ہے۔"

یہ امر کہ انسانی عقل خواہ ترقی کے کسی درجہ پر پہونچ جائے مگر وہ بغیر مذہب کے زندہ نہیں رہ سکتی اُسکی محسوس دلیل یہ ہے کہ علماے یوروپ کے ایک جم غفیر نے ایک مذہب تصنیف کیا ہے جسکا نام اُنہوں نے "مذہب طبعی" رکھا ہے۔ اس جدید مذہب کے

ایسے اصول و قواعد مقرر کئے گئے ہیں جو حقیقی براہین اور حسّی اور عیانی دلائل سے ثابت ہو چکے ہیں۔ آگے چلکر جہاں ہم اسلام کے اصول کی نسبت گفتگو کرینگے وہاں اس جدید مذہب کے اہم اصول بھی نقل کرینگے تاکہ مسلمانونکو معلوم ہو جاسے کہ ان کے مذہب میں کسی قسم کی بحث و گفتگو کی بالکل گنجایش نہیں ہے۔

"افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون" "کیا یہہ لوگ اللہ کے دین کے سوائے (کسی اور دین) کے تلاش مین ہین حالانکہ جو (فرشتے) آسمانون (مین ہین) اور (جو لوگ) زمین مین ہین چار و نا چار اوس کے حکم بردار ہین اور اوس کی طرف سبکو لوٹکر جانا ہے۔"

ماھوالاسلام

اسلام کیا چیز ہے

کونسا بلیغ ہے جو اسلام کی نسبت لکھنا چاہے اور اس مقصد اعلی کو پورے طور پر بیان کرنیسے قاصر ہونیکا اقرار نہ کرے۔

اور کونسا حکیم ہے جو اس مذہب کے حقایق و دقایق اور اسکی عجیب و غریب حکمتوں کی تفصیل کرنا چاہے اور اسکو اپنے عجز و قصور کا اعتراف نہ کرنا پڑے۔

" وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ " اور زمین میں جسقدر درخت ہیں اگر

مِّنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ "

(اُن سب کے) قلم ہوں اور سمندر کی (سیاہی) اور وہ بھی اسطرح پر کہ اُس کے (ہو چکنے) پیچھے (ایسے ہی) سات سمندر (اور) اسکی مدد کریں (غرض ان تمام قلموں اور ان سیاہیوں سے خدا کی باتیں لکھی جاویں تو بھی) تو خدا کی باتیں تمام نہوں"

کسقدر عمیق علم اور بلند طبیعت اور وسیع معلومات کے ساتھ انسان کو متصف ہونا ضروری ہے تاکہ ان ازلی وابدی نوامیس کا سمجھنا اور سمجھانا ممکن ہو جنپر صدیاں کی صدیاں اور قرن کے قرن گذرتے چلے جاتے ہیں اور وہ اپنی پہلی ہی حالت پر قائم ہیں۔ جسقدر زمانہ گذرتا جاتا ہے، انکی رونق شباب بڑھتی جاتی ہے اور ہر قرن جدت کے ایک زریں چادر اُنپر اضافہ کر دیتا ہے، اُنکی ماہیت اور حقیقت کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنکی بصیرت کو خداوند تعالیٰ نور عرفان سے روشن کرتا اور جنکے آسمان فکر پر آفتاب علم پرتو افگن ہوتا ہے۔

" وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ "

" اور ہم یہ (چند) مثالیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان فرماتے ہیں اور سمجھدار ہی اُنکو سمجھتے ہیں"

میں نہایت آزادی استقلال کے ساتھ کہتا ہوں اور علم و عقل دونوں میرے دعوے کی تائید کرتے ہیں کہ اسلام ہی وہ اعلیٰ ترین کمال ہے جسپر ترقی کرنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جو انسان ترقی کے مراتب میں انتہائی مرتبہ ہے۔ اور

جسکی تلاش اور جستجو کا جذبہ انسان کی فطرت میں خلقی طور پر رکھی گئی ہے - بلکہ اسلام ہی انسانی نفس کی تنہائی تمنا ہے جسکی تلاش و جستجو کی طرف آتا ہوا ایک ایسا فطری میلان ہے جو نہایت عظیم الشان غرض و غایت اور وسیع ترین نقطہ کمال کی طرف ہو سکتا ہے - اور وہ ہر زمانہ اور ہر عہد میں اُس عزیز الوجود اور نادر المثال چیز کی تلاش میں (جسکے حصول سے ہر غم سے راحت اور تمام امیدوں اور خواہشوں میں قناعت میسر ہو جاتی ہے) کوشش کرتا رہا ہے -

غرض اسلام ہی وہ انتہائے کمال ہے جس کی جستجو میں بڑے بڑے حکما چل بسے اور جس کی حقیقت کے دریافت کرنے میں علما نے اپنی عزیز عمریں صرف کر دی ہیں - اسلام ہی وہ قانون محکم اور ناموس اعظم ہے جو اللہ تعالے نے اپنے فضل و کرم سے اس نوع ضعیف (انسان) کو عطا فرمایا ہے تاکہ اُسکے ذریعہ سے انسان کی دینی اور دنیوی دونوں حالتیں درست ہو کر سعادت دارین حاصل ہو - اور ہر قسم کی مصائب اور شدائد میں انسان اُس پر بھروسہ کرے اور اُسی کی طرف رجوع کرے - خداوند تعالی نے نوع انسان کو یہ دین جو زمانہ کا سراج اور تمام ادیان سابقہ کا ختم کرنے والا ہے اسوقت عطا فرمایا جبکہ اُسمیں عقل کا نشو و نما درجۂ تکمیل کو پہونچ چکا تھا - تاکہ وہ خدا کی طرف سے اسکے بندوں پر حجت ہو - جو عدل اور حق کو ظاہر کرنیوالی ہو اور رہرو کو ہدایت کی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرنے والی ہو - اور تاکہ انسان کو عقل کی تکمیل کے بعد نہ اُس سے انکار کرنے کا کوئی حیلہ اور نہ اُسکی تردید کرنیکی طاقت باقی رہے -

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جسکے علوم طبعی نے (بغیر اسبات کے کہ علماے طبعیات کو اسکا علم ہو) خدمت کی ہے - حتی کہ موجودہ صدی میں مذہب اسلام کے نصوص آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہو گئی ہیں اور جس طرح سورج کی کرنیں پانی میں سرایت کر جاتی ہیں اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ وہ نصوص عقل میں نفوذ کر جاتی ہیں - کوئی قاعدہ جو تجربوں سے ثابت ہوا ہو

اور کوئی نظریہ جو حواس کی مدد سے ثابت ہوا ہو ایسا نہیں پایا جاتا جو انسانی تہذیب اور شائستگی کی ترقی میں موثر ہوا اور وہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی صدا یا بازگشت نہو حتی کہ دیکھنے والیکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے روئے زمین کی طرف سے جسقدر کوشش اور سرگرمی انسانیت کی شان کی ترقی دینے میں ظاہر ہو رہی ہے اُسکا مقصود صرف یہی ہے کہ مذہب اسلام کے قواعد کی صحت اور صداقت پر دلائل قائم کیے جاویں۔

"سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی	"عنقریب ہم اُن لوگوں کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں (دنیا کے)
انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق	اطراف میں (بھی) دکھائینگے اور اُنکے اپنے درمیان میں (بھی) یہانتک کہ اُنپر
اولم یکف بربک انه علی کل شیء	ظاہر ہو جائیگا کہ یہ (قرآن) برحق ہے (اے پیغمبر) کیا (تمہاری تسلی کو) یہ بات کافی
شهید"	نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد حال ہے۔

ہماری گذشتہ بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی وسیلہ و کسی طریقہ کے ساتھ اسلام کی موجوں کی روانی کو روکنا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اور جس طرح انسانی شائستگی اور نفسانی ترقیات کو روکنا اور علمی اور عملی مسائل کو جو ابتک دریافت ہو چکے ہیں نیست و نابود کر کے نوع انسان کو اُسکی ابتدائی وحشت اور جہالت کیطرف واپس لوٹانا محال ہے بلاشبہ اسی طرح اسلام کو روکنا ناممکن ہے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جسپر تمام انسان اور جنات بھی قادر نہیں ہوسکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

"یریدون لیطفئوا نور اللہ	"(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو
بافواههم ویابی اللہ الا ان	اپنے مونہہ سے (پھونک مارکر) بجھا دیں
یتم نوره"	اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پھیلا کر
	رہیگا"

اب ہم خدا کی تائید اور اُسکی توفیق پر بھروسہ کر کے اپنا مقصود شروع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوے جسکو ہم اس کتاب میں ثابت کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ وہ تمام

اصول اور قواعد جو جدید شائستگی کی بنیاد ہیں، ان کو مذہب اسلام کے قواعد کے ساتھ وہی نسبت ہے جو شعاع کو سورج سے اور سمندر کو قطرہ سے ہوتی ہے۔ اسکے ثبوت کا سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اول ہم جدید شائستگی کے اہم اصول لکھتے ہیں اور اسکے بعد نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

مَا هُوَالدِّینُ ؟

دین کیا چیز ہے

دین کا لفظ مثل اپنے مصداق کے نہایت قدیم اور تمام انسانی گروہوں میں خواہ وہ وحشی اور جاہل ہوں یا مہذب اور شائستہ ہوں شائع اور ذائع ہے۔ لیکن اس لفظ کا حقیقی مصداق جو آسمانی شریعتوں نے بیان کیا ہے اور جو خالق کی وسیع رحمت اور لازوال عنایت پر پوری طرح منطبق ہے انکو معلوم نہیں ہوا۔ جو شخص تاریخ کو بنظر تعمق مطالعہ کریگا اسکو معلوم ہوگا کہ مختلف قوموں نے اس لفظ کے معنوں کے سمجھنے میں بیشمار رنگ بدلے ہیں جو انسانی عقل کے لئے معقولات کے سمجھنے میں ایک لازمی امر ہے۔

نہایت قدیم زمانے میں مذہب صرف چند عام جلسوں کا مجموعہ خیال کیا جاتا تھا جن میں معبودوں کی رضاجوئی اور انکے غیظ و غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے حیوانات یا اسیران جنگ کی قربانی کی جاتی تھی۔ مگر جب انسانی ادراکات کی ترقی اور علوم و فنون کی آبیاری سے عقلی قوت کی نشو و نما ہوئی تو اس لفظ کے معنوں میں بھی بتدریج وضاحت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ان معنوں کے قریب پہونچگیا جیسا کہ آسمانی مذاہب کا حکم ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اس امر کی نسبت گفتگو کریں کہ اسلام میں لفظ دین کے کیا معنی مراد ہیں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں یورپ کے علما اس لفظ سے کیا مراد لیتے ہیں۔ اور علوم و فنون کے سمندروں کو عبور کرنے اور قوانین قدرت اور نوامیس فطرت کے سراغ لگانے کے بعد

اس لفظ کے کیا معنی سمجھتے ہیں تاکہ وہ ہمارے اس نظریہ ([illegible]) کی تائید میں ایک محسوس دلیل ہو کہ حقایق کے سمجھنے میں عالم جسقدر ترقی کر رہا ہے بعقیدہ اسلام سے قریب تر پہنچتا جاتا ہے۔" یوروپ کے علما ان تمام مرحلوں کے طے کرنیکے بعد جو ان لوگوں کو پیش آتے ہیں جو علمی فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں اب اطمینان کیساتھ بیٹھے ہیں اور علوم و فنون کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ چکا ہے۔ پس انہوں نے دلائل کی بنا پر اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس عالم کے لئے ایک خالق ہے جو حکمت و قدرت والا ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے عیوب اور نقص سے منزہ اور مقدس ہے۔ اسنے عالم کو ایک خاص نظام کے مطابق پیدا کیا ہے جو شخص اسکو تدبر کے ساتھ مطالعہ کریگا وہ خالق کی ان اعلی صفات کو عیانی طور پر مشاہدہ کر سکتا ہے اور اس طرح وہ ایسی باتیں سیکھ سکتا ہے جن کے مطابق عمل کرنے سے اُن الہٰی قواعد اور تعلیمات سے مستغنی ہو جاے جو لوگوں کے سامنے بیان کیجاتی ہیں اور وہ بڑے ادب کے ساتھ انکو اپنے سر و چشم پر رکھتے ہیں۔ لیکن نہ اُن کی حکمت کو سمجھتے ہیں نہ اُنکے نتائج سے واقف ہوتے ہیں۔ اسکے بعد علماے یوروپ نے نظام عالم اور نوامیس فطرت کا استقرار کر کے یہ راے قائم کی کہ خالق عالم اپنی مخلوقات سے جسکو اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے کسی چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسکی ذات تمام ماسوی سے غنی ہے۔ اسکے بعد وہ اسبات کے قائل ہوئے کہ اسکا مخلوقات سے مستغنی ہونا مخلوقات کے اہتمام و انصرام کرنے سے مانع نہیں ہے، جو اسکی وسیع رحمت اور عظیم الشان رأفت پر دلالت کرتا ہے۔ کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس نظریہ کی صداقت عیانی طور پر مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔

ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک مختلف قسم کے نباتات اور حیوانات کی حالت پر غور کرو، خدا کی عظیم الشان رحمت اور رافت کے آثار عیانی طور پر نظر آئینگے، جو اسکی محبت پر انسان کو مجبور کرینگے۔ اُسنے کائنات کو وہ تمام ضروری چیزیں عطا فرمائی ہیں جن سے وہ اپنی زندگی کی حفاظت کر سکتی اور اپنی تمام تکلیفات اور ناگہانی حادثات کو دفع کر سکتی ہیں۔ اس کلیہ سے صرف وہی صورتیں مستثنیٰ معلوم ہونگی جنکو نظام عالم مقتضی ہے اور جنکے ہونے میں بحیثیت مجموعی تمام عالم کے لئے اعلیٰ درجہ کی رحمت اور رافت ہے۔ پس جب خدا کی یہ شان ہے وہ انسان کو لایعنی اور بے نتیجہ عبادت پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ وہ انسان کو صرف اُسی عبادت کا حکم دیگا جس میں حکمت بالغہ اور عبادت کرنے والے شخص اور اُسکی نوع اور تمام اجزاے طبیعت کو عظیم الشان فوائد حاصل ہوں۔ کیونکہ تمام اقسام کائنات پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالق عالم نے انکو اسلئے نہیں پیدا کیا کہ وہ انکو فاسد اور نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ وہ انکی اصلاح اور انکا باقی رہنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اُسنے ہر ایک چیز میں اُس حد تک جو اُسکے لئے مقرر ہے ترقی کرنے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ چونکہ انسان کائنات کی دیگر چیزوں کی نسبت کسی لحاظ سے کم نہیں بلکہ وہ خلاصہ کائنات اور اشرف المخلوقات ہے اسلئے وہ درجہ بدرجہ ترقی کے اصول کا سب سے زیادہ تابع ہوگا اور تدریجی ترقی قبول کرنے کی استعداد اُسمیں سب سے زیادہ ہوگی۔

یہ امر واقعی ہے۔ کیونکہ جو شخص اُس ترقی کی نسبت غور کریگا، جو انسان نے ابتداے آفرینش سے اسوقت تک کی ہے، تو اسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ خالق عالم نے اسکو ایسی خصوصیتیں عطا فرمائی ہیں، جن کی وجہ سے اُسکی ترقی اُس حد تک جاری رہ سکتی ہے،

جو انسان کے خیال سے اسوقت تک باہر ہے۔ علمائے یورپ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا کے افعال عبث اور متناقض ہونے کے عیب سے منزہ ہیں، اسلئے وہ عبادت، جو خدا کو مرغوب ہونی چاہئے، وہ ان قوانین فطرت کے مطابق ہو، جو کائنات پر مسلط ہیں۔ اور ان رغبات اور احساسات کے مناسب ہو، جو انسان کی جبلت میں پیدا کئے گئے ہیں۔ ان علمی بدیہیات کی بنا پر جن میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہو سکتا علمائے یورپ کے ایک گروہ کثیر نے اپنا طبعی مذہب ایجاد کیا ہے۔ اس موضوع میں مشہور فلاسفر چارلس سیموں (Charles Simmons) نے جو اس جدید مذہب کا سرگرم ممبر اور معاون ہے لکھا ہے کہ "ہم اس زندگی میں وہ فرض ادا کرتے ہیں جو خدا نے اپنی عنایت سے ہمارے لئے قرار دیئے اور جب ہماری زندگی ختم ہو جائیگی تو جزا و سزا اور ثواب و عقاب کا اسکو اختیار ہے" اسکے بعد اسنے ثواب اور عقاب کے اسباب کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتا ہے "جو چیز انسان کے لئے باعث ثواب ہو سکتی ہے وہ اپنی خاص قوتوں کی اطاعت اور نیک کام کرنا ہے۔ انسان کا خاص قانون یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی حفاظت کرے اور ان قوتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا رہے جو اس میں ودیعت کی گئی ہیں، اپنے بھائیوں سے محبت اور انکی خدمت کرے، خالق کے ساتھ محبت اور اسکی عبادت کرے۔ لیکن وہ کیا طریقہ ہے جسکے مطابق انسان کو اپنے خالق کی عبادت کرنا چاہیئے؟ بیشک فرائض کا ادا کرنا اور نیک کام عین عبادت ہے۔ اور محبت اور اخلاص عین نماز ہے۔ اپنی وطن کی اخلاص کی ساتھ خدمت کرنا خدا کی عبادت ہے۔ یہی طبعی مذہب اور یہی طبعی عبادت ہے۔ ہمارے مذہب کے تمام اصول بالکل واضح ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ اسکے اصول یہ ہیں کہ ایسے خالق کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جسکو کوئی چیز متغیر نہیں

کرسکتی - اُسنے تمام عالم کو پیدا کیا ہے اور عام اور مطرد قوانین اُسپر مسلط کئے ہیں - دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی ہوگی جس میں انسان کو اپنی نیکیوں اور بدیونکا پورا بدلہ ملیگا - یہ ہمارا اعتقاد ہے - اور ہماری نماز یہ ہے کہ ہمارا اول خدا کی محبت اور نیز انسان کی محبت سے لبریز ہو - اور فرائض کے ادا کرنے میں ہمارا ارادہ مستحکم ہو اور بھلائی اور خیر کے کرنے میں ہم خدا کی مرضی کے تابع رہیں "

اس مقام پر ہم صرف اسقدر اور بیان کرتے ہیں کہ اس جدید مذہب کے پیرو جسمانی عبادت کو ناپسند نہیں کرتے جیسا کہ چارلس سیمون کے دیگر اقوال سے معلوم ہوتا ہے - مگر وہ ایسی جسمانی عبادت ادا کرنے کے لیے جمع نہیں ہوتے جس میں کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ ملحوظ نہو - انکے نزدیک عبادت ایسی نہونی چاہیے جس کی کوئی غرض و غایت نہو بلکہ وہ دلونکے زندہ کرنے اور انکو پاک کرنیکا ذریعہ ہونا چاہیئے - علامہ کُن ([illegible]) جو ایک مشہور فلاسفر ہے کہتا ہے کہ " خارجی عبادت صرف اُسیوقت ناپسندیدہ ہوتی ہے جبکہ وہ مقصود بالذات ہو - لیکن اگر وہ انسانی نفس کے شریفانہ احساسات کو بیدار کرنے اور انکو تقویت دینے کا ذریعہ ہو تو اُسکے مفید ہونے میں شبہہ نہیں ہوسکتا "

ان تمام مذکورۂ بالا اقوال سے ہم چار اہم امور انتخاب کرتے ہیں - (۱) اول اس امر کا اعتقاد رکھنا کہ خدا ہم سے اور ہمارے اعمال سے مستغنی ہے - ہم جسقدر نیک کام کرتے ہیں ان میں خاص ہماری منفعت ہے - (۲) خدا انسان پر رحیم اور اُس کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے اور اُسکو عبادت کی تکلیف صرف اُسی کے فائدے کی غرض سے دیتا ہے - (۳) عبادت زندگی کے اصول فطرت پر منطبق اور انسانی طبیعت کے موافق ہونی چاہیئے - نہ یہ کہ وہ انسانی طبیعت کے خلاف اور اُسکی بربادی کا باعث

ہو۔ (۴) جسمانی عبادت نفس کے پاک کرنیکا ذریعہ ہونا چاہیے نہ یہ کہ وہ مقصود بالذات ہو۔
یہ چاروں امور ایسے ہیں جن تک انسانی عقل کی رسائی اُسوقت ہوئی ہے جبکہ کرۂ زمین پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوگئے ہیں اور جن پر انیسویں صدی کے علما فخر کرتے ہیں مگر وہ مذہب اسلام کے آفتاب کی ایک شعاع اور اُسکے بحر زخار کا ایک قطرہ ہے۔ مزید توضیح کی غرض سے ہم وہ نصوص بترتیب نقل کرتے ہیں جو اُن چاروں اُمور پر منطبق ہیں۔

(۱) خدا فرماتا ہے۔

"من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین"۔ "جو کوشش کرتا ہے صرف اپنے نفس کیلئے کوشش کرتا ہے، اللہ تعالی تمام عالم سے مستغنی ہے"

(۲) خدا نے فرمایا ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"۔ "اللہ تعالے تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا ہے "ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون"۔ "اللہ تعالی نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے، مگر یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنا پورا احسان کرے۔ شاید تم شکر کرو"

(۳) خدا نے فرمایا ہے "لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا"۔ "اللہ تعالی کسیکو اُس کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

اور فرمایا ہے " ولو انا کتبنا	" اور اگر ہم انکو حکم دیتے کہ اپنی جانوں کو
علیھم ان اقتلوا انفسکم	ہلاک کرو یا اپنے گھروں میں سے نکل
او اخرجوا من دیارکم	جاؤ" تو بہت کم تھے جو ایسا
ما فعلوہ الا قلیل منھم"	کرتے"
اور فرمایا ہے " یرید اللہ ان	" خدا تعالے چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف
یخفف عنکم وخلق الانسان	کرے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا
ضعیفا"	ہے"

(۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

"من لم تنہ صلاتہ	"جسکی نماز فحش اور برائیوں سے خالی نہو وہ
عن الفحشاء والمنکر	خدا سے بعد ہی
لم یزدد من اللہ الا بعدا"۔	بڑھاتی ہے"
اور نیز فرمایا ہے " کم من	" بہت روزہ رکھنے والے ہیں
صائم لیس لہ من صیامہ	کہ انکو روزہ سے بجز بھوک اور پیاس
الا الجوع والعطش"	کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"

مذہب کے سمجھنے میں ہمارا ایسی عقیدہ ہے۔ اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ عقیدہ علم اور عقل کے ساتھ بالکل مطابق اور قوانین فطرت کے ساتھ پوری طرح موافق ہے چونکہ علماے یورپ کے مطاعن اکثر مذاہب کی نسبت صرف انہیں بنیادی اصول پر وارد ہوتے ہیں اسلئے ہمکو حق حاصل ہے کہ ہم پکار کر اعلان کردیں کہ اسلام کی شان اس سے نہایت ارفع و اعلی ہے کہ علمار کا کوئی طعن اسکیطرف عائد ہوسکے۔

ان چاروں امور کو اس جدید مذہب کے علما ان تمام قواعد کے بنیادی اصول خیال کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے نوع انسان کی ترقی اس حد تک ہو سکتی ہے جو اُسکے لئے قدرت نے قرار دی ہے - چونکہ ان قاعدوں کے انکشاف کا دارو مدار صرف علم پر ہے اسلئے وہ ایسے ہر ایک قاعدے کو مثل مذہبی قواعد کے شمار کرتے ہیں جسپر عمل کرنا خدا کی عبادت اور اُسکی رضا مندی کا موجب ہے -

اس طبعی مذہب کے پیرو اُن قدیم مذہبی روایات اور حکایات کو بالکل تسلیم نہیں کرتے جنکو ہزاروں برس گذر چکے ہیں - علامہ کین کہتا ہے کہ "سچا مذہب صرف ایسے قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جن کی صداقت اور ضرورت پر ہمارا ذاتی شعور شہادت دیتا ہے اور فرسودہ قدیم مذہبی روایات اور خرافات اور کاہنوں کی تعلیمات سے پاک ہوتے ہیں - گویا کہ علامہ موصوف مسلمانوں کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد دلاتا ہے

"تلک امۃ قد خلت لہا ما
کسبت ولکم ما کسبتم و
لا تسئلون عما کانوا
یعملون"

"یہ گروہ گذر گئے اُسکے لئے وہ ہے جو اُس
نے حاصل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے
جو تم حاصل کرو -
اور تم سے سوال نہیں کیا جاویگا کہ وہ کیا کرتے تھے"

الناموس الاعظم للمدنیۃ

تمدن کا اصل اصول

جو شخص قوموں کی مفصل تاریخ پڑھیں میں انکے پیدا ہونے سے آجتک کے واقعات درج ہیں تدبر کے ساتھ غور کریگا۔ اُسکو ایسے ہیبت ناک اور درد انگیز حادثات نظر آئینگے جنسے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اُسکو بیشمار خونریز لڑائیاں، تمدنی فتنہ وفساد، خاندانی مصائب اور اخلاقی مفاسد معلوم ہونگے۔

بعض اشخاص اُسکو ایسے نظر آئینگے جنکو اتفاقات وقت سے محض خیالی اور وہمی رفعت اور برتری حاصل ہوگئی ہے اور اُنہوں نے دوسرے بندگان خدا کو اپنا غلام بنا لیا ہے اور اپنے حرص وطمع کے دوزخ شکم کو پُر کرنے کے لئے ان غریبوں کا خون چوس رہے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح انسان کی تاریخ ناگوار کدورتوں اور مصائب وآلام سے بھری ہوئی نظر آئیگی، جو تمہارے دل میں نوع انسانی کی طرف سے سخت کراہت پیدا کریگی۔ لیکن اگر تم اپنی نظر کو ان دردناک مصائب وآلام کی سطح سے کسیقدر اونچا کروگے اور نوع انسان کو دوسرے پہلو سے دیکھوگے تو تمکو معلوم ہوگا کہ یہ تمام حادثات اور واقعات ایک ایسے عظیم الشان اور مستحکم قانون قدرت کی گرد گردش کر رہے ہیں جو نوع انسان کو ان کڑی منزلوں اور سر توڑ گھاٹیوں سے نکالکر ترقی کی بلندی پر لیجا رہا ہے۔ اسکے بعد اگر تم اپنی نظر کو کسیقدر اونچا کروگے

تو تمکو محقق طور پر ثابت ہوجائیگا کہ یہ تمام حادثات دوسرے درجے کے قوانین ہیں جو اُس عظیم الشان قانون کے تابع ہیں جو اولاً تمہاری نظر سے گذرا تھا اور نیز اُسکے افعال و آثار ہیں جو عالم پر اپنا اثر ڈالتے اور اُسکے اجزا کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہیں، تاکہ ان میں سے بہیمی اخلاق کی خباثت اور اوہام کی نجاست دفع ہو۔ ممکن ہے کہ استقرار کی تہوڑی سی تکلیف گوارا کرنے سے تمکو ہمارے بیان کی صداقت معلوم ہوجائے کیونکہ اگر تم کسی اہم حادثہ کی نسبت غور کروگے جو کسی تاریخی زمانہ میں نوع انسان پر نازل ہوا ہو تو تمکو فوراً معلوم ہوجائیگا کہ اُس سے اسقدر فائدہ حاصل ہوا ہے جسکے مقابلہ میں اسکی مصیبتیں اور تکالیف ہیچ ہیں۔

اس مختصر کتاب میں ہم تاریخی واقعات اور اُنکے نتائج سے بحث نہیں کرسکتے کہ اُنہوں نے کسطرح انسان کو وحشت اور جہالت کی تاریکی سے نکالکر تہذیب اور شائستگی کی روشنی میں پہونچایا ہے۔ کیونکہ یہ امر موجب تطویل ہوگا۔ مگر ہم اس تمدنی جہاد کے اصل و اصول کی نسبت بالاجمال گفتگو کرتے ہیں تاکہ ہماری اس بحث میں آسانی ہو اور تمدنی اہم مسائل ہماری آنکھوں کے سامنے روشن ہوجائیں اور حقائق مجسم ہوکر ہمارے سامنے آجائیں اور تطبیق زیادہ تر قابل اطمینان ہو۔

اس میں شک نہیں کہ شخصی زندگی کی قائم رکھنے والی چیزوں کے بعد جس اشد ضرورت کا شعور انسان کو ہوتا ہے وہ نوع انسان کے گروہ جمع ہوکر رہنے کی ضرورت ہے۔ انسان ذاتی طور پر بالکل آزاد ہے اور کوئی چیز اُسکو مقید نہیں کرسکتی۔ اور دوسری حیثیت سے وہ اسقدر ضعیف اور عاجز ہے کہ اُسکو اپنی زندگی کی حفاظت کرنے کی غرض سے اس آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسیوجہ سے علماے تمدن کا اتفاق ہے

کہ انسان اپنی طبیعت کے برخلاف اجتماع کے لئے مجبور ہے کیونکہ اُسکی بغیر انسان کے زندگی ناممکن ہے اور وہ اُس سے کسی وقت بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔

وہ آزادی جسکا شعور انسان اپنے نفس میں پاتا ہے اور وہ احتیاج جو اُسکو اپنے بنی نوع کی طرف ہے انہیں دونوں چیزوں کے باہمی فعل وانفعال سے وہ تمام فتنے اور جدال وقتال برپا ہوئے ہیں جو تواریخ وسیر سے ہمکو معلوم ہوتے ہیں۔ اور نیز نوع انسان کے افراد میں اپنی فطری تمنا کے حاصل کرنے کی غرض سے جو باہمی کسر و انکسار ہو رہا ہے اُسکی بنیاد بھی یہی ہے۔ پس تمام تاریخی حادثات جو تمام قوموں میں واقع ہوئے ہیں معتدل آزادی کی تحدید پر جو نوع انسان کے مرتبہ کے لائق ہو اور اُس تسلط کی تحدید پر جو انسانی اجتماع کے مناسب ہو مبنی ہیں۔ اور اسوقت تک نوع انسان میں ان دونوں قاعدوں کے بین بین حد فاصل دریافت کرنے کی غرض سے سخت ہولناک مدافعت اور مخاصمت کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر اخیر کی دو صدیوں کو بہ نسبت قرون سابقہ کے یہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ اُن قیمتی جانوں کی بدولت جو یوروپ کے عاشقان آزادی نے قربان کی ہیں یہ حد معتدل نہایت قریب آگئی ہے جس کی نظیر گذشتہ صدیوں میں ہرگز نہیں ملسکتی۔ علماے تمدن کا قول ہے کہ "وہ آزادی جو اس اخیر صدی میں یوروپین قوموں کو حاصل ہوئی ہے وہ اُن تمام ترقیوں اور کامیابیوں کا باعث ہے جنکے آثار ہم یوروپین ممالک میں دیکھ رہے ہیں۔"

وہ کونسی آزادی ہے جسکے حاصل کرنے کی غرض سے یوروپ نے نہایت جانبازی کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اپنی قیمتی جانیں نثار کی ہیں؟ کیا یہ آزادی ہم سے اسقدر دور ہے جسقدر زمین آسمان سے یا یوروپ کی چستی مشرق کی سستی سے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ہمارے

سامنے موجود ہے مگر ہم اُس سے غافل ہیں۔ بیشک وہ ہمارے سامنے موجود ہے اور اگر ہم چاہیں تو نہایت امن و اطمینان کے ساتھ اُس پر عمل کر سکتے ہیں۔ اُسکی تائید میں نہ ہمکو جاں نثاری کی ضرورت نہ تکلیفات برداشت کرنے کی حاجت ہے۔ بلکہ وہ آزادی تو ہمارے دلوں میں محفوظ ہے اور سوائے اُسکی حقیقت پر غور کرنے اور سمجھنے کے ہمکو کسی تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم اُس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا کریں تو ہم بہت تھوڑے عرصہ میں مغرب کے لگ بھگ پہونچ سکتے ہیں۔ بیشک وہ اُسوقت ہماری فوری ترقی کو دیکھکر حیران رہجائینگے جیسا کہ روم اور ایران کی سلطنتیں اُس انقلابات کو دیکھکر حیران ہوگئی تھیں جو عرب میں چند سال کے عرصہ میں آغاز اسلام کے وقت ہوا تھا۔

وہ کونسی آزادی ہے جس کی نسبت میپودو یہ کہتا ہے کہ "آزادی دنیا کی ہر قسم کی سعادت و فلاح سے افضل ہے" اور جسکی نسبت سپیوپاچے کہتا ہے کہ "آزادی ہر ایک انسانی ترقی کی اصل اصول ہے"۔ اور جس کی تعریف میں وکٹر ہیگو لکھتا ہے کہ "آزادی ایک ایسی ہوا ہے جو نفس انسانی کی زندگی کے لیئے ایک ضروری چیز ہے"

کیا اس آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام قیود اور ہر قسم کے روابط سے آزاد ہوکر محض بے قید اور مطلق العنان ہو جاوے؟ یہ آزادی حیوانات ہی کو مبارک رہے ہم اُنکی اس حالت پر حسد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ آزادی جسکے اشتیاق میں تمام قوموں کے فلاسفر بے چین ہیں وہ معتدل آزادی ہے، جس کی بدولت انسان اپنی تمام قوتوں کو جو قدرت نے اُسکو عطا کی ہے بلا روک ٹوک اور بلا خوف و مزاحمت کے استعمال کر سکے۔ بشرطیکہ وہ ان حدود سے متجاوز نہو جو عادلانہ قوانین نے قرار دی ہیں۔ کیونکہ ان حدود سے

تجاوز کرنا قوم کے دیگر افراد کو مضر ہوگا۔

یہی وہ آزادی ہے جس کی تلاش اور جستجو میں عقلا ہزاروں برسوں سے سرگرمی کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں۔ اگرچہ بہ نسبت قدیم زمانہ کے اسوقت جہاد کی شکلوں اور صورتوں میں تغیر واقع ہوگیا ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں تلوار اور نیزہ کی باتیں قول فیصل سمجھی جاتی تھیں قبل اسکے کہ ہم اسکو اسلامی قواعد کے ساتھ تطبیق دینے کی غرض سے آزادی کی نسبت بحث و گفتگو کریں ہمکو اس جہاد کی نسبت بالاجمال گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے نوع انسان ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک کر رہی ہے۔ تاکہ ہمکو اس مسئلہ کی تفصیلات پر اول سے آخر تک واقفیت حاصل ہو اور ہم ان بنیادی اصول کیساتھ جنپر مہذب اور شائستہ قوموں کی آزادی کا دار و مدار ہے استدلال کرسکیں۔

جهاد الانسان لنوال الحرية

آزادی حاصل کرنے کے لئے انسانی جہاد

انسان فطری اور خلقی طور پر آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اُسکو آزادی کی طرف رہنمائی کرنیکے لئے کسی ہادی اور محرک کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ انسان میں آزادی کا احساس منجملہ احساسات کے ہے جن کی سخت تاثیر خود بخود انسان پر پڑتی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ کسی شخص کا وجدان اوہام اور خرافات یا دیگر اسباب سے اسقدر زنگ آلود ہو جائے کہ اُس کی جوہر بصیرت کی روشنی بالکل خاموش ہو جائے۔ جیسا کہ بعض قوموں کی حالت ہو چکی ہے۔ ایسی مستثنیٰ صورتیں خواہ انکی تعداد کتنی ہی ہو جائے اصول کلیہ کو نہیں توڑ سکتیں۔ چونکہ مطلقاً آزادی جیسی کہ حیوانات کو حاصل ہے انسان کی ان خصوصیتوں اور قوتوں کی تاثیرات کو باطل کر دیتی ہے جن کی نشو و نما اور تکمیل بغیر اجتماع کے ناممکن ہے۔ اسلئے انسان نے ان قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے اپنی فطری آزادی کا ایک حصہ قربان کر دینا مناسب خیال کیا۔ اور اس پر جبر تسلط اور اسکے لوازمات کی بنیاد قائم ہوئی جو بیسا اوقات جبر کو حد اعتدال سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ جو غرائز انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ وہ دوسروں پر تسلط اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض اشخاص کو اپنی اس خواہش کے پورا کرنیکا مناسب موقع ملا اور انہوں نے تمام ممکن وسائل سے اسکے لئے کوششیں کیں۔

چونکہ تسلط حاصل کرنے کے وسائل صرف اسیوقت کامیاب ہوتے ہیں جبکہ اُن کا رُخ انسان کے اس احساس کی طرف ہوتا ہے جو انسان پر سخت تسلط رکھتا ہے۔ اسلئے قہر و جبروت کے دِلدادوں نے دیکھا کہ انسان پر اثر ڈالنے کا سب سے زیادہ کامیاب طریقہ یہ ہے مذہبی حیثیت سے اسپر اثر ڈالا جاوے۔ اور اسی اصول پر عمل کرنے سے اکثر مذاہب میں تحریف و تبدیل واقع ہوئی اور لوگوں کے دلوں اور ان کی عقلوں کو قابو میں لانے کے لئے مذاہب کے اصلی نصوص میں تغیر تبدل کیا گیا۔ یہ مذہبی دام فریب پھیلانے والے بڑے غور کے ساتھ عقل کی نگرانی کرتے تھے۔ اور جب کبھی وہ اپنی مُہلک قید سے چھوٹنے کے لئے حرکت کرتی تھی تو یہ لوگ فوراً اُسکے سامنے مذہبی خرافات کی ایک سدّ سکندری کھڑی کر دیتے تھے۔ جسکو دیکھکر وہ تھوڑی دیر کے لئے حیران اور مبہوت رہجاتی تھی اور جب وہ اپنے سامنے کی شاہراہ مسدود دیکھکر یمین و یسار کیطرف حرکت کرتی تھی تو یہ لوگ فوراً اُس حرکت کے کمزور کرنے یا اُسکے انتشار کو روکنے کے درپے ہوتے تھے۔ صدیوں تک یہی حالت رہی۔ مذہبی رؤسا کا بول بالا اور انکا حکم نافذ رہا۔ مگر جب دنیا کے اصول ترقی کی تاثیر سے عام لوگوں کو مذہبی رؤسا کی غلامی کی قید سے کسیقدر آزادی حاصل ہوئی تو اسوقت بجائے ایک کے دو تسلط ہو گئے ایک مذہبی اور دوسرا سیاسی۔ ان دونوں میں جسقدر ہولناک جنگ و جدل واقع ہوئے انکی تفصیل کے لئے ضخیم جلدیں بھی کافی نہیں ہو سکتیں۔ جبکہ بعض قوموں کو (جو اس زمانہ میں ترقی یافتہ ہیں) مذہبی تسلط کی قید سے آزادی نصیب ہوئی اور سیاسی تسلط کا بار بھی کسیقدر ہلکا ہوا۔ اس سے انکو نہایت خوشی حاصل ہوئی یوروپ کے علماء اس عظیم الشان نعمت کی تعریف و توصیف میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں تالیف کرتے ہیں

اور تمام مذاہب پر طعن و تشنیع اور اعتراضات کی بھر مار کر رہے ہیں اور ان کے عنقریب فنا و زوال کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ حالانکہ انکو یہ بات معلوم نہیں کہ جو چیز انکو حاصل ہوئی ہے اُسنے انکو اسلام سے قریب تر کر دیا ہے جسکی روشنی دنیا میں اُسوقت نمودار ہوئی تھی جبکہ تمام یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ٹکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

جسوقت مذہب اسلام کی روشنی عالم کو منور کرنے کے لیئے نمودار ہوئی اُسوقت تمام دنیا دو عظیم الشان سلطنتوں کے تابع تھی۔ ایران اور روم ایران کی حالت اُسوقت یہ تھی کہ اندرونی اور بیرونی خلفشار نے اُسکی بنیادوں کو متزلزل کر ڈالا تھا لیکن دوسری سلطنت کی پہلی عظمت باقی تھی اور دنیا کی قومیں بدستور اُسکی شوکت اور سطوت سے لرز رہی تھیں۔ اس میں گذشتہ تہذیب و تمدن کا ایک حصہ باقی تھا جس کی نسبت علامہ لاردس کہتا ہے "رومانیوں کے نظامات سلطنت کیا تھے؟ وہ نظامات بالکل وحشت اور سراسر فسادات تھے جو قوانین کی صورت میں نافذ تھے۔ روما کے اخلاقی فضائل مثلاً شجاعت اور مکر اور دور اندیشی اور قومی اخلاص وہ بعینہ ایسے تھے جو چوروں اور رہزنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اُسکی وطنیت وحشت کا لباس پہنے ہوئے تھی جس میں سوائے حرص و طمع اور اجنبیوں کے ساتھ عداوت اور کینہ کے اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی اور انسانی شفقت کے احساس کی بُری نوبت ہو رہی تھی۔ روما کی عظمت اور فضیلت سے مراد وہ اعمال ہیں جو بذریعہ تازیانہ اور تلوار کے انجام دیے جاتے تھے۔ اور اسیران جنگ کو عذاب اور قید کے حکم نافذ ہوتے تھے اور بچوں اور بڈھوں کو فتح کی گاڑیاں کھینچنے کی سزا دیجاتی تھی۔"

علامہ موصوف کا یہ مقولہ ہمنے صرف اس غرض سے نقل کیا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ روئے زمین کی سب بڑی عظیم الشان قوم میں تمدنی ترقی کی نوبت کہاں تک پہونچی تھی۔ تاکہ انکو محقق طور پر ثابت ہو جائے کہ مذہب اسلام کے پاک اصول جنکو ہم عنقریب بیان کرینگے کسی قوم سے ماخوذ نہیں ہیں۔ اور ہم صرف اسی پر اکتفا نہیں کرینگے بلکہ اپنے اس دعوے کو خود یورپ کے مستند علما کے اقوال سے ثابت کرینگے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں جو آزادی مہذب قوموں کو حاصل ہوئی اور جس پر ان کی عقلی اور اخلاقی ترقی کا دار و مدار ہے۔ اُس کی نسبت علمائے مغرب اسپات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ اکثر مذاہب کی نصوص کے منافی ہے۔ اور اس بنا پر انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آیندہ زمانہ میں جو نہایت قریب ہے تمام مذاہب زوال پذیر ہونگے اور انسان کو اسکی سعادت و فلاح کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے علم اسکے قائم مقام ہوگا۔ ہم ایسی دلائل سے یہ بات ثابت کرینگے کہ مذہب اسلام میں نہ صرف یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس آزادی کا منافی نہیں ہے جس نے یورپ کو وحشت اور جہالت سے نکال کر شائستگی کی بلندی پر پہونچایا ہے۔ بلکہ وہ ایسی آزادی کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کو موجودہ آزادیوں سے وہی نسبت ہے جو حقیقت کو خیال سے ہوتی ہے۔

جو آزادی اسوقت تمام مہذب دنیا میں دیکھ رہے ہیں وہ تین بڑی آزادیوں سے مرکب ہے جو اس عظیم الشان عمارت کے لیے بمنزلہ تین ستونوں کے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں (۱) نفس کی آزادی (۲) عقل کی آزادی (۳) علم کی آزادی۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی نسبت ہم بالاجمال گفتگو کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ منجملہ اسلامی اصول کے ہیں۔

نفس کی آزادی

نوع انسان کے مغلوب ومقہور کرنے والوں نے اپنے حصول مقاصد کا جو سب سے بڑا وسیلہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ اُنھوں نے انسانی نفوس کو اُنکے طبعی حقوق اور فطری خصوصیتوں سے محروم کر دیا اور اُن حقوق اور خصوصیتونکو اپنے خاص تصرف میں رکھا جسطرف چاہتے تھے انکو پھیر دیتے تھے۔ پس گویا کہ یہ جملہ کہ (آنکھیں بند کر کے اعتقاد رکھو) جیسا کہ علامہ لاروس نے لکھا ہے ایک عام قاعدہ سمجھا جاتا تھا جو تمام قوموں میں ہر فرد و بشر کے لئے یکساں واجب العمل تھا۔ جسوقت کسی شخص کی نسبت انکو معلوم ہوتا کہ وہ اس قید گراں سے نجات حاصل کرنے کے لئے حرکت کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اُسکی نسبت الحاد و ارتداد کا فتویٰ دیکر اُسکو آگ میں جلا دیتے یا ایسے سخت دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے جس سے حیوان سنکے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنے آپ کو نوع انسان کا آقا اور سرپرست قرار دیا تھا اور انکے بچونکی تربیت کا بار اپنے ذمہ لیا تھا اور ان سادہ لوحونکے تخیلات میں اپنے قواعد اور تعلیمات نقش کرتے تھے جس سے وہ جوان ہوکر مثل بے شعور آلونکے انکے ہاتھوں میں رہیں اور وہ جسطرح چاہیں انسے کام لیں۔ انکے ذہنوں میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ ابدی سعادت اور شقاوت ہمارے ارادہ پر موقوف اور ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

« ولو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السموات والارض ومن فيهن » اور اگر حق اونکی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تو آسمان وزمین اور جو کچھ اونمیں ہے درہم و برہم ہوگیا ہوتا۔

پس لوگ اُسی ٹائپ کے پیدا ہوئے جس قالب میں اُنکے آقاؤں نے ڈالنا چاہا تھا - اور جب دلوں میں تحریک پیدا ہوتی اور انکے نفوس تلملاتے تھے تو وہ تعلیمات جو اُنکے ذہنوں میں بچپن سے منقوش تھیں انکو پکار کر کہتی تھیں کہ "وہ ہرگز نہیں - نہ تم میں نفس ہے اور نہ ضمیر ہے - تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ تم آنکھیں بند کرکے اطاعت کرتے رہو"

غرض اسی طرح رفتہ رفتہ نفس کی آزادی کا خاتمہ ہوا - اور اُسی کے ساتھ خیالات کی آزادی بھی جو انسانی ملکات کو تربیت کرنے والی ہے اور جو نفسانی آزادی کا نتیجہ ہے رخصت ہوئی - مگر انسانی طبیعت اس اندوہناک مصیبت پر صبر نکرسکی - لوگوں کی نیتوں میں فساد اور سینوں میں عداوت اور اُنکے نفوس میں طرح طرح کے وسوسے اور خطرات پیدا ہونے شروع ہوے - اور دلوں میں دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑک اٹھی اور انسانی گروہیں سخت خلفشار میں مبتلا ہوئیں اور ایسی خونریز لڑائیاں برپا ہوئیں جنکے دردناک واقعات قیاس کے حصر سے باہر ہیں اور جنکے نتائج سے وہ لوگ واقف ہیں جنکو کسیقدر علم تمدن کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے -

ان تاریکیوں کے اثنا میں اور ان اضطرابات سے پیشتر خدا کی عنایت عرب کی گھاٹیوں اور چٹانوں کے درمیان ایک ایسی قوم کی تربیت کرنے میں مصروف تھی جو خدا سے جبار کی زبان سے حجت قائم کرے اور قہار کے زبردست ہاتھ سے سرکشوں اور نافرمانوں کو ادب کی تعلیم دے - تاکہ دنیا کی قومیں جسوقت تہذیب اور شائستگی کا وہ حصہ جو خدا نے اُنکے علم میں مقدر کیا ہے حاصل کرنے کے بعد اطمینان اور سکون کی طرف رجوع کریں اور مسلمانوں کے اس دعوے کے سمجھنے کا قصد کریں کہ انکا مذہب ایک مخفی خزانہ اور ایک ایسا بھید ہے جس سے زمین و آسمان قائم ہیں تو اُنکو معلوم ہو جائے کہ اُنہوں نے ہزارہا قیمتی جانیں

قربان کرنے کے بعد جو چیز حاصل کی ہے وہ انہیں الٰہی تعلیمات کا عکس ہے

[1] "سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق"

"عنقریب ہم ان لوگونکو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیاکی اطراف میں بھی دکھائینگے اور انکے اپنے درمیان میں بھی یہانتک کہ انپر ظاہر ہوجائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے"

اب ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ نفس کی حریت کی نسبت اسلام کیا کہتا ہے تاکہ فلسفہ کے سرگروہوں اور نوع انسان کے دردمندونکو یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ تمام مسائل جنپر اس صدی کے علما فخر کرتے ہیں اُسی آواز کی صدائے بازگشت ہیں جو چودہ صدیوں پہلے مکہ اور مدینہ کی گھاٹیونکے درمیان گونج رہی تھی۔ اسلام نے مساوات کی بنیاد اس طرح پر قائم کی ہے۔

"یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا"

"لوگو ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور گوتیں ٹھیرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو"

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اسلام کی بدولت جاہلیت کی نخوت اور باپ دادوں پر فخر کرنے کے عیب کو دور کردیا ہے۔ کیونکہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ بیشک خدا کے نزدیک زیادہ تر معزز وہی شخص ہے جو زیادہ تر متقی ہو"

اس سے وہ تمام فضیلتیں معدوم ہوگئیں جو نسب کی شرافت یا دولت و ثروت

---

[2] یہ حدیث صحیح ہے اور بتغیر بعض الفاظ ترمذی اور ابوداؤد میں مروی ہے۔ (مترجم)

کی بہتات یا کسی خاص قوم اور قبیلہ کی طرف منسوب ہونے یا ایسے ہی دیگر اسباب سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے چھوٹی شیخی اور بڑی باتوں کو ذریعۂ امتیاز قرار نہیں دیا بلکہ اس نے اخلاقی فضائل اور اعمال کو ذریعۂ امتیاز بنایا ہے خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

"إن أكرمكم عند الله أتقاكم" — "یعنی خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"

اسلام نے قرار دیا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری منجملہ ان امور کے نہیں ہے جنکی نسبت کسی شخص کے صرف ظاہری اعمال و عبادت کو دیکھکر حکم لگایا جاسکے کیونکہ بسا اوقات یہ تمام طاعات و عبادات کسی ایسے عقیدہ کے باعث سے جو اسکے دل میں راسخ ہوتا ہے اور جس پر خدا کے سوا کوئی فرد بشر مطلع نہیں ہوتا بالکل بے سود اور کالعدم ثابت ہوتی ہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم ولا نساء من نساء عسى أن يكن خيرا منهن" — "مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ جن پر ہنستے ہیں وہ خدا کے نزدیک ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں عجب نہیں کہ جن پر ہنستی ہیں وہ ان سے بہتر ہوں"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ[1] "ایک شخص اہل جنت کا عمل کرتا ہے یہانتک کہ اسکو اور جنت کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہجاتا ہے لیکن کتاب اسپر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے کام کرنے لگتا ہے اور آخر کار اس میں داخل ہوتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہانتک کہ

[1] یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مروی ہے۔ (مترجم)

اُسکے اور دوزخ کے درمیان بقدر ایک گز کے فاصلہ باقی رہجاتا ہے مگر کتاب اسپر غالب ہوتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتا ہے اور آخر کار اُس میں داخل ہوتا ہے"

اسلام نے قرار دیا ہے کہ اعمال صالحہ کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کی عبادت یا پرہیزگاری کے مقبول یا مردود ہونیکی نسبت حکم لگائے بلکہ اُسکو مناسب یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ وہ خدا پر چھوڑے اگرچہ وہ پرہیزگاری ایسی ہو جو اسکو تمام مخلوق سے ممتاز کردے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری اُمّت[1] کے محدثین کو (یعنی اُن لوگوں کو جن سے فرشتے باتیں کرتے ہیں) چھوڑ دو۔ نہ انکی نسبت جنت کا حکم لگاؤ اور نہ دوزخ کا خدا خود قیامت میں انکی نسبت فیصلہ کریگا" اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ "میری اُمت کے ان لوگوں کے واسطے تباہی ہے جو اسبات کا حکم لگاتے ہیں کہ فلاں شخص جنتی اور فلاں دوزخی ہے"

اسلام نے مسلمانوں کی کسی جماعت کو ایسی خصوصیتیں نہیں عطا فرمائی ہیں جن کی بدولت آسمانی قانون کے سامنے انکا مرتبہ ادنی حیثیت اور کم درجے کے مسلمانوں کی نسبت اعلیٰ ہو۔ بلکہ اُسنے خدا کے فضل وکرم کا دروازہ ہر شخص کے واسطے یکساں کھول رکھا ہے اور قرار دیا ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ جو چاہے اس دروازہ میں داخل ہوسکتا ہے کتاب اور سنت کے سوا کسی مرشد اور رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے اپنے تمام پیروؤں کو ڈرایا ہے کہ ایسے لوگوں کے دام فریب میں پھنسکر

---

[1] اس حدیث کو جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع صغیر میں ضعیف لکھا ہے۔ (مترجم)

شرک میں مبتلا ہو جائیں جو اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ سعادت و شقاوت انکے اختیار میں ہے اور انکو ایسا حق حاصل ہے جس سے تمام افراد محروم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ عالم ہے پس وہ جاہل ہے" اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ "نہایت خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت کی نسبت ڈرتا ہوں وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تاویل کرتا ہے اور اُسکو بے محل اور بے موقع چسپاں کرتا ہے۔ اور نیز وہ شخص ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ اُسکو اس کام میں دوسروں کی نسبت زیادہ حق حاصل ہے۔

اسلام اپنے پیرؤں کو نہایت موکد طور پر خبردار کرتا ہے کہ حساب کے دن انسان کو لئے سوا اسکے اُسکے اعمال حسنہ کے کوئی چیز کام نہیں آسکتی اور نہ اُسکو عذاب سے بچا سکتی ہے کسی عظیم الشان دادا کا پوتا یا کسی بڑے باپ کا بیٹا ہونا کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ"

"اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنی اُسنے کوشش کی، اور یہ کہ اُس کی کوشش آگے چلکر (قیامت کے دن) دیکھی جائیگی"۔

اور نیز فرمایا ہے۔

"فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون"

"تو اُسدن نہ تو لوگوں میں رشتہ داریاں (باقی) رہینگی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھینگے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عباسؓ[1] اے صفیہ اور اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی

---

[1] بخاری اور مسلم میں ایک طویل حدیث مروی ہے جسکا آخری حصہ یہ ہے اے عباس الخ (مترجم)

ہیں خدا سے تمکو کچھہ فائدہ نہیں پہونچا سکتا میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے مفید ہے"۔ اسلئے تمام الہی احکام تمام افراد کے لئے یکساں وارد ہوئے ہیں۔ نوع انسان کے ادنی افراد کے لئے جو تکلیفات عائد کی گئی ہیں بعینہ وہی تکلیفات اعلی سے اعلی افراد کے ذمہ عائد کی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خبردار ہو جاؤ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اسکی رعیت کی بابت سوال کیا جائیگا"[1]

انہیں آزادانہ قواعد کی بدولت مسلمانوں کے نفوس کو کسی دوسرے شخص کے اشاروں پر چلنے سے آزادی حاصل ہوئی۔ کیونکہ ہر شخص کو اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ اپنے اعمال کی جزا و سزا صرف اسی کو بھگتنا ہوگی۔ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی رفیع القدر ہو اس کو فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

اسی قسم کے اصول سے باہمی اخوۃ اور مساوات کی روابط میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کا ایک گروہ کثیر چند مخصوص اشخاص کا اسطرح پر مطیع و منقاد نہیں ہوتا کہ وہ اسکو جدہر چاہیں پھیر دیں اور اپنی مرضی کے مطابق جس رستہ پر چاہیں چلائیں۔ بیشک اسی قسم کے اصول کی بدولت مساوات کی حکومت قائم ہوتی ہے۔ کیا تمکو معلوم ہے کہ مساوات کے نتائج کیا ہیں؟ مساوات حقوق اور فرائض کے معلوم کرنیکا سب سے پہلا اصول اور تمام افراد کے درمیان عدالت اور آزادی کی بنیاد مستحکم کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ صرف یہی چیز ہے جو حقیقی اور وہمی عدالت کے درمیان مابہ الافتراق ہے۔ نپولین کہتا ہے کہ "مساوات ہر قسم کی عدالت کا سرچشمہ ہے خواہ قوموں کے درمیان ہو یا

[1] اس حدیث کو بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

افراد کے درمیان" مشہور فلاسفر کونڈسی کہتا ہے کہ "طبعی مساوات انسانی افراد کے لئے اپنے حقوق کی شناخت کا سب سے پہلا اصول ہے اور اسی پر تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"۔

اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ وہ مساوات جس سے آجکل مہذب قومیں متمتع ہیں، کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُن خونریز بغاوتوں کا نتیجہ ہے جو گذشتہ صدی کے اواخر میں برپا ہوئی تھیں۔ فرنک کہتا ہے کہ "وہ تمدنی مساوات جس کی بنیاد بعض یوروپین قوموں میں نصف صدی سے قائم ہوئی ہے بتدریج دیگر اقوام میں بھی شائع ہوتی جاتی ہے۔ مگر ہمکو حق حاصل ہے کہ ہم خدا کا شکر کریں اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیں۔

"الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله"	"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جسنے ہمکو اسکی ہدایت کی اور ہم ہدایت پانیوالے نہیں تھے اگر اللہ تعالی ہمکو ہدایت نکرتا"

عقل کی آزادی

سب سے بڑی خصوصیت اور عظیم الشان نعمت جو انسان کو عطا ہوئی ہے وہ قوت عقلی ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ انسان اُن تمام امور سے جاہل پیدا کیا گیا ہے جو اُسکی بقائے حیات کے لئے ضروری ہیں۔ مگر اس جہالت کے مقابلہ میں اسکو عقلی قوت دی گئی ہے جو معلومات کی زیادتی کے ساتھہ ساتھہ نشو و نما پاتی اور ترقی کرتی جاتی ہے اور آخرکار انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکالکر شائستگی کی روشنی میں پہونچاتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہ قوت بھی انسان کی دیگر قوتوں کی مانند انہیں لوگوں کے تسلط و اقتدار کے تحت میں رہی جو انسانی افراد کو اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ اور جو ازلی قانون اُسکے لئے مقرر تھا اُسکے مطابق وہ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہی۔

نوع انسان کے غلام بنانے والوں نے انسان کی تمام قوتوں کی نسبت عقلی قوت کی نگرانی بڑی ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھہ کی ہے۔ کیونکہ انکو معلوم تھا کہ یہ ایک ایسی جوہردار تلوار ہے کہ اگر میان سے نکال لی گئی تو اُسکے سامنے اوہام اور تاریکیوں کے لشکر ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ٹھیر سکتے۔ اسلئے اُنہوں نے نہایت تشدد کے ساتھہ اس قوت کی نگہداشت کی اور انسان کو عرصہ دراز تک ایک اعلیٰ درجہ کی نعمت سے محروم رکھا۔ اُنہوں نے صاف صاف کہدیا کہ جو کچھہ ہم کہتے ہیں اُسکے سمجھنے میں عقل کو استعمال کرنا موجب الحاد ہے۔ ان وجوہ سے لوگ ایسی جہالت کی تاریکی اور وحشیانہ حالت میں مبتلا ہوئے جسکے افسوسناک واقعات نہایت خجالت اور ندامت اور کسیقدر

غصہ کیسا تھا۔ تاریخ ہمارے سامنے بیان کر رہی ہے۔ جسوقت قوموں کی یہ حالت تھی اُسوقت خداوند تعالیٰ حقیقی تمدن اور سچی شائستگی اور عقل کی آزادی کے اصول حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ اور جسوقت قوموں کو مغلوب و مقہور کرنیوالے اور انکو غلام بنانے والے اپنی رعایا سے کہہ رہے تھے کہ "عقل کی روشنی کو خاموش کر دو' بصیرت کی آنکھوں کو بند رکھو" اُسوقت خدا کا رسول اپنے پیروؤں اور ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ "مذہب عین عقل ہے جسکو عقل نہیں اُسکا مذہب ہی نہیں" اور جبکہ یہ غلو کرنیوالے اپنے زیردستوں کو یہ حکم دے رہے تھے کہ "اے لوگو! تم عقل کو الگ رکھنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کرو کیونکہ عقل کا استعمال کرنا خدا کی ناراضی اور اُسکے غصہ کا موجب ہوتا ہے" اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے فرما رہے تھے کہ

"یا[1] ایها الناس اعقلوا
عن ربکم وتواصوا بالعقل
تعرفوا ما امرتم به و
اعلموا انه ینجدکم
عند ربکم" الی آخر الحدیث

انہیں آسمانی قواعد کی بدولت عقل کو اُسکی ہر قسم کی قیود سے بالکل آزادی حاصل ہوئی اور انسان کی رہنمائی کا فرض جسکے لئے خدا نے اُسکو پیدا کیا ہے ادا کرنے لگی اور انسانی افراد کی افضلیت کا سب سے بڑا معیار قرار پائی۔ حالانکہ اس سے

[1] کل حدیث ورد فی ذکر العقل لا یثبت و فی الذیل اخرج الحارث بن اسامہ فی سندہ عن داؤد بن المحبر بضعا و ثلاثین حدیثا قال ابن حجر کلها موضوعۃ۔ مجمع البحار صفحہ ۵۱۱ ۔

پیشتر صرف ظاہری عبادت اور جسمانی پرہیزگاری افضلیت کا معیار تسلیم کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کسی شخص کا اسلام تمکو ہرگز تعجب میں نہ ڈالے جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ اُس کی عقل کیسی ہے"۔

ظاہری عبادت اور جسمانی افعال و لسانی حرکات انسان کے لئے کیونکر مفید ہوسکتی ہیں جبکہ وہ اپنے ضعف عقل کے باعث سے ہر قسم کی افراط و تفریط میں مبتلا ہوتا ہو اور کاموں میں محل و موقع کا لحاظ نہ رکھتا ہو۔ اگر کسی عہدہ کا بار اُسکے ذمہ ڈالا جاوے تو اُسکو بُری طرح استعمال کرے اور اُسکے کاروبار کے انجام دینے میں غلط طریقہ اختیار کرے۔ عدل کو ظلم سمجھے اور ظلم کو عدل خیال کرے۔ ایسے شخص کی ظاہری عبادت کچھہ زیادہ قابل وقعت نہیں ہوسکتی۔ ہمنے اکثر اشخاص کو دیکھا ہے جو صلاح و تقوے کے مدعی تھے مگر وہ محض اپنی نادانی اور کم عقلی سے اپنی قوم کے لئے آفت اور ملک کے لئے مصیبت ثابت ہوئے ہیں"۔ ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی بہت تعریف کی اور اُسمیں مبالغہ کیا۔ آپنے فرمایا کہ اُس شخص کی عقل کیسی ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم اُسکی عبادات و خیرات کی نسبت عرض کرتے ہیں اور آپ اُسکی عقل کی نسبت دریافت فرماتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ "احمق بوجہ اپنی جہالت کے ایسی حماقتوں میں مبتلا ہوتا ہے جو کسی بدکار کی بدکاریوں سے سخت تر ہوتی ہیں۔ قیامت کے روز بندوں کو تقرب الٰہی کے درجے باعتبار اُنکی عقلوں کے عطا ہونگے"۔

مذہب اسلام نے عقلی قوت کو اسقدر بزرگی و شرف و اعتبار عطا فرمایا ہے جسکا ایک شمہ آپ کو ان احادیث سے معلوم ہوا ہوگا جو اوپر مذکور ہوئیں۔ لیکن کیا تمکو

معلوم ہے کہ مہذب قوموں میں اس عظیم الشان قوت کی آزادی کا کیا نتیجہ ہو جبکہ وہ نہایت قیمتی جانیں قربان کرنے کے بعد انکو حاصل ہوئی ؟ جس عظیم الشان تمدن اور تہذیب و شائستگی سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جو زبردست قوت اور شوکت انکو حاصل ہے وہ اسی آزادی کا نتیجہ ہے - دنیوی سعادت اور مادی صلاح و فلاح جسکے عجیب و غریب حالات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں وہ بھی اسی آزادی کا نتیجہ ہے - لاروس کہتا ہے کہ "اگر اغراض اور اوہام کی قیود سے آزاد ہو کر اس مادی، فکری اور اخلاقی ترقی کے اسباب کی نسبت بحث کریں، جو انسانی گروہ کو ابتدا سے اسوقت تک حاصل ہوئی ہے تو معلوم ہوگا کہ اسکا محض یہ سبب ہے کہ عقل کو اسکی قید سے آزادی حاصل ہوئی - ہم اس بحث کے ختم کرنے سے پیشتر یہ امر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عقلی قوت کی آزادی کچھ قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے اور نیز یہ کہ وہ سخت کشمکش اور جدال و قتال کے بعد حاصل ہوئی ہے - لاروس کہتا ہے "آغاز اصلاح کے زمانہ سے فرانسیسی بغاوت تک عقل کے آزاد کرنے والوں اور اسکو مقید رکھنے والوں کے درمیان سخت جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا - گذشتہ زمانہ کی حکایات اور خرافات سے بالکل اعراض کرنے اور آیندہ کے لئے ایک نیا طریقہ قرار دینے کے باعث فرانسیسی بغاوت نے سوسائٹی کے ان تمام ارکان کی ترمیم کی جو منہدم ہو چکے تھے اور جدید نسل کی تعلیم اسکا اہم مشغلہ قرار پایا" مگر ہمکو یہی کہنا مناسب ہے " الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ "

علمی آزادی

علم کو قوت عقلی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو غذا کو جسم کے ساتھ ہے پس جسطرح انسان کا جسم مختلف قسم کے زمینی مادوں سے غذا حاصل کرکے نشو ونما پاتا اور بڑہتا ہے اسی طرح اُسکی عقلی قوت بہی علمی مسائل اور خارجی معلومات سے قوی ہوتی اور ترقی کرتی ہے۔ اسیوجہ سے نوع انسان کو غلامی کی ذلت میں رکہنے والوں نے علم کی مذمت کرنے اور اسکی طرف سے لوگونکو نفرت دلانے اور اہل علم کو تکلیف دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اُنہوں نے قطعی حکم لگا دیا کہ علم ایک ایسی ناپاک چیز ہے جسکے قریب آنا ہی ناجائز ہے۔ علامہ لاروس نے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ "انکا خیال تہا کہ علم ایک ایسا ملعون درخت ہے جو اپنے زہریلے پہلوں سے بنی آدم کو ہلاک کرتا ہے"۔ اُنہوں نے علم کی مخالفت پر یہانتک کمر باندہی تہی کہ لوگونکو اُسکا نام لینے سے منع کرتے تہے۔ اور قدما کے فلسفہ میں تحریف کرکے اُس کو اپنی خواہشات کے موافق بنانا چاہتے تہے حتی کہ وہ ان تحریفات کی بدولت ایسا بدصورت ہوگیا کہ عقل اُسکو دیکہکر سخت نفرت کرتی تہی۔

انکے دل میں یہ خیال خام پیدا ہوگیا تہا کہ ہمارے پاس ایسا علم ہے جس کی طرف جہالت کو راہ نہیں ہوسکتی۔ اُنہوں نے قطعی حکم لگا دیا تہا کہ جو چیز اُس علم سے باہر ہو وہ دائرۂ تحقیق سے خارج ہے اور سوا ے زندیق کے کوئی شخص اُسکا قائل نہیں ہوسکتا ایسے لوگونکو وہ اسقدر عبرت ناک سزائیں دیتے تہے جنکے ذکر سے انسان کا دل لرزجاتا ہے

اور اسی طریقہ سے اُنہوں نے حکما کی ایک بڑی تعداد کو صرف اس جرم میں ہلاک کیا کہ وہ علمی مواد کے بڑہانے میں کوشش کرتے ہیں۔

ان جابرانہ وسائل سے اُس عام میلان میں جو علم کی طرف تہا سکون پیدا ہوگیا۔ مگر اُسنے فوراً زندگی کے قوانین کی زبان سے حجت قائم کی اور وہ ناطق حجت یہ تہی کہ جہالت اور گمراہیوں کی گرم بازاری ہوئی اور اوہام اور خرافات کو رواج حاصل ہوا اور بہیمی خواہشیں انسانی خصلتوں پر غالب ہوئیں زبردستوں نے زیردستوں کو دبالیا اور انکو تمام طبعی حقوق سے محروم کردیا۔ نوع انسان کچہ اسی حالت میں ایک عرصہ تک سخت بدحالی اور اختلال رہا اسکے بعد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں اور خونریز جنگ وجدل کا زمانہ آیا جو علم کو اسکی جنہی قیود سے آزاد کرانے کی غرض سے برپا ہوئیں۔

جسوقت قوموں کی یہ حالت تہی اُسوقت آسمانی حقائق حضرت سید الوجود صاحب المقام المحمود صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہے تہے اور حقیقی تمدن اور آزادی علم کے اصول کی تدوین ہو رہی تہی۔ مذہب اسلام نے آکر ان تمام طوق وسلاسل کو توڑ دیا جن میں علم مقید تہا اور قرار دیا کہ علم کو کسی قید سے مقید اور کسی حد سے محدود کرنا ایک ایسی بے انصافی ہے جو صرف بے عقلی کا خیال کیجا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا ہے تو وہ اُسکی حق تلفی کرتا ہے اور اُسکو اُس مرتبہ سے گراتا ہے جو خدا نے اُسکے لئے قرار دیا ہے اسلئے کہ خدا نے فرمایا ہے "وما[1] اوتیتم من العلم الا قلیلا"

اسلام نے تصریح کی ہے کہ کلام الٰہی کی حکمتوں کا سمجھنا اُسوقت تک ناممکن ہے جب تک

[1] اور تم لوگونکو اسرار الٰہی مین سے بس تہوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

کہ انسانی فکر علوم کی روشنی سے منور نہو خدا نے فرمایا ہے " تلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون " اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ طلب علم میں کوتاہی کرنیوالونکو انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے " اور اے پیغمبر!

" ولئن جئتھم بآیۃ لیقولن الذین کفروا ان انتم الا مبطلون۔ کذلک یطبع اللہ علی قلوب الذین لا یعلمون "

اگر تم ان لوگونکو کوئی سا معجزہ بھی لاکر دکھاؤ تو جو منکر ہیں وہ تو بس یہی کہینگے کہ تم مسلمان نرے فریبی ہو۔ جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے انکے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگایا کرتا ہے "

اس قسم کی آیات بینات سے اسلام نے انسانی عقول کے لئے علوم و معارف کے دروازے کھول دیئے اور ہدایت کی کہ علم کا طلب کرنا اور اسکے اکتساب میں کوشش کرنا خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " بہترین عبادت طلب علم ہے " اور نیز فرمایا ہے کہ " ایک ساعت علم میں غور کرنا ساٹھ[1] برس کی عبادت سے بہتر ہے "

اسلام نے علم کو کسی خاص شہر یا کسی خاص گروہ تک محصور نہیں رکھا بلکہ ہمکو اسکے حاصل کرنیکا حکم دیا ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " علم[1] کو تلاش کرو اگرچہ وہ چین میں ہو " اور نیز فرمایا ہے کہ حکمت[2] مسلمان کی ایک گمشدہ چیز ہے جہاں کہیں ملے اسکو اٹھا لینا چاہیئے " پس کوئی مسلمان کسی حکمت کے حاصل کرنے سے اسوجہ سے انکار نہیں کرسکتا کہ وہ ایسے شخص سے صادر ہوئی ہے جو ازروے

---

[1] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عبد البر نے کتاب العلم میں روایت کیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ بالکل بے اصل ہے (اللآلی المصنوعہ)

[2] اس حدیث کو ترمذی نے بہ تغیر بعض الفاظ روایت کیا ہے۔

اعتقاد کے اُسکے برخلاف ہے اور اُسکے حاصل کرنے کے لیئے یہی وجہ کافی ہے کہ "حکمت ہے جو انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی اور اُسکو جہالت سے نکالتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "حکمت کو لے لو یہ امر تمہارے لئے مضر نہیں ہے کہ وہ کس برتن سے نکلی ہے"

قرآن مجید کی آیات کو تدبر اور تفکر کے ساتھ تلاوت کرو تو تمکو معلوم ہوگا کہ علم و حکمت کی طرف سے غفلت اور چشم پوشی کرنے کی انسان کو سخت ممانعت کی گئی ہے۔ خداوند تعالی مہربانی اور رحمت کے لہجے میں اپنے بندوں کو پکار کر کہتا ہے "انظروا ماذا فی السموات والارض" اور جو لوگ اسمیں کوتاہی کرتے ہیں انکو ندامت کرتا ہے تاکہ اہل نظر کے لئے موجب عبرت ہو۔

"وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون" اور جو لوگ عجائب کائنات اور غرائب مصنوعات سے اپنی آنکھوں کو بند رکھتے ہیں انکو ڈراتا ہے۔

"من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی واضل سبیلا"

"جو شخص اس دنیا میں دیدہ و دانستہ اندھا رہا وہ آخرت میں اندھا اور نجات کے رستے سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا"

"وقال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا قال کذلک اتتک ایاتنا فنسیتہا وکذلک الیوم تنسی"

"وہ کہیگا اے میرے پروردگار تو نے مجھکو اندھا کرکے کیوں اٹھایا میں تو دنیا میں دیکھتا بھالتا تھا خدا فرمائیگا ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ دنیا میں ہماری آیتیں تیری پاس آئیں مگر تو نے انکی کچھ خبر نہ لی۔

اسی طرح آج تیری بھی خبر لیجائیگی ''

اسلام نے علمی آزادیکو اس درجہ تک پہونچایاہے۔ پس میں دریافت کرتا ہوں کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے علم کی اس درجہ قدر و منزلت کی ہے، جو گذشتہ آیات سے معلوم ہوتی ہے۔ کیا یہ علمی آزادی جو مغرب میں دیکھی جاتی ہے قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مسیو برتلو (Berthlot) ممبر فارن آفس فرانس کہتاہے کہ '' علم کو موجودہ آزادی صرف ۲۵۰ سال سے حاصل ہوئی ہے۔

'' الحمد للہ الذی ھدانا لھذا	'' خدا کا شکر ہے جسنے ہمکو اس (بہشت میں آنے)
وما کنا لنھتدی لولا ان	کا راستہ دکھایا۔ اور اگر خدا ہمکو ہدایت نہ کرتا تو ہم کو
ھدانا اللہ ''	(کسیطرح جنت کا) رستہ (ڈھونڈھے) نہ پاتا ''

الواجبات الشخصیۃ العائلیۃ والاجتماعیۃ

ذاتی اور خاندانی اور تمدنی فرائض

گزشتہ فصل میں ہم اختصار کے ساتھ تینوں قسم کی آزادی کی گفتگو کر چکے ہیں جس پر مہذب دنیا کی تمام موجودہ ترقیوں اور کامیابیوں کا انحصار ہے، اور محسوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ شائستگی کے تمام بنیادی اصول اسلامی انوار کی شعاعیں ہیں، جنہوں نے مغربی ممالک کو منور کر رکھا ہے۔ لیکن اُن بنیادی اصول کے ماتحت دوسرے فروعی قواعد ہیں جو ان ابتدائی اصول کے نتائج ہیں، انکی نسبت بھی اختصار کی گفتگو کرنا ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ جس شخص کو ذرّہ بھر بھی عقل ہے اُسکو "ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ" کی تفسیر عیانی طور پر مشاہدہ ہو جاوے۔

ذاتی فرائض

ہر شخص اس امر کا شعور رکھتا ہے کہ وہ دو چیزوں سے مرکب ہے، جو ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہیں، اور وہ جسم اور روح ہیں۔ اور باوجودیکہ انکی طبیعتیں متغائر ہیں، تاہم وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا عجیب و غریب اتحاد رکھتے ہیں کہ جسوقت ایک متاثر ہوتا ہے تو اسکے ساتھ دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں اثروں اور موثروں کے درمیان بالکل تباین ہوتا ہے۔ اس نظریہ (theory) کی بنا پر نوع انسان نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سعادت و فلاح جو انسان کی انتہائی تمنا ہے اسکا دارومدار بالکل اسبات پر ہے کہ دونوں جوہروں کی حفاظت ان تمام عوارض سے کیجائے جو انکو اپنے فرائض کے ادا کرنے سے باز رکھتے ہیں پس ان دونوں کی حفاظت پر یکساں توجہ مبذول رکھنا ایک لازمی امر ہوگیا ہے۔ علامہ لاک کہتا ہے "وہ سعادت و فلاح جس سے دنیا میں فائدہ اٹھانا انسان کے لئے ممکن ہے اسکے واسطے دو چیزیں لابدی ہیں۔ عقل صحیح اور جسم سالم۔ یہ دونوں نعمتیں دوسری تمام نعمتوں کی اصل اصول ہیں۔ اور جس کے پاس خوش قسمتی سے یہ دونوں موجود ہوں اسکو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور جو ان سے محروم ہو وہ ہرگز خوشحال نہیں ہوسکتا اگرچہ اسکے پاس اور بہت سی نعمتیں موجود ہوں۔ کیونکہ درحقیقت یہی دونوں چیزیں سعادت اور شقاوت کی بنیاد ہیں۔ جو شخص عقل سلیم سے محروم ہے وہ عمر بھر سعادت و فلاح کا سیدھا رستہ معلوم نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جو شخص جسمانی تندرستی سے محروم ہے وہ بھی کامیابی کی راہ میں کوئی

نفسانی ضروریات

جو شخص بصیرت کی آنکھیں کھولکر مخلوقات کے حالات پر غور کریگا اُسکو اُنکی فطرت کے تبائن اور اُن کی استعداد کے تخالف کے متعلق نہایت عجیب و غریب باتیں معلوم ہونگی اُسکو معلوم ہوگا کہ کوئی شخص نقطۂ اعتدال پر قائم ہے، کوئی افراط میں مبتلا اور تفریط میں گرفتار ہے۔ اور اس اعتدال اور افراط اور تفریط کے درمیان اس قدر درجات ہیں جن کی تعداد خدا کے سوا کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ یہ لوگ باوجودیکہ نوعیت میں متحد اور انسانیت میں شریک ہیں مگر وہ اپنے اعمال، اعتقادات اور ملکات میں ایک دوسرے سے بالکل متبائن ہیں۔ وہ دو لونکے درمیان موافقت پیدا کرنا مثل اجتماع ضدین کے ناممکن ہے۔ آپ کے نزدیک نوع انسان کے افراد میں اس سخت تبائن کا کیا باعث ہے؟ کیا یہ اس امر کی محسوس دلیل نہیں ہے کہ جسطرح جسمانی امراض اجسام پر طاری ہوتے اور اُنکی مادی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات انسانی نفوس کو روحانی امراض عارض ہوتے اور اُسکی معنوی صورت کو خراب کردیتے ہیں؟ اگر تمنے دیکھا ہے کہ کسی نصیحت کی تاثیر سے کوئی گمراہ اپنی گمراہی سے باز آگیا ہے، تو کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ اگر حقیقی علاج میسر آجائے تو نفوس کے امراض کا زائل ہونا ممکن ہے۔ بیشک نفس ابتدا میں مثل بچہ کے ہوتا ہے۔ ہر ایک سانچے میں ڈہل جانیکی استعداد اُس میں موجود ہوتی ہے۔ پس اگر ابتدا ہی سے اُسکو کوئی دانشمند تربیت کرنیوالا ملجاتا ہے اور وہ اُسکی حکیمانہ تعلیمات کے مطابق نشو و نما پاتا ہے تو وہ جوان ہوکر نہایت نیک اور پاکباز ہوتا ہے

لیکن اگر بدقسمتی سے اُسکو ناقص مربی ملتا ہے، یا ناقص موثرات کے درمیان اُس کی نشو ہوتی ہے تو وہ نہایت شریر اُٹھتا ہے اور انسان کو سخت ذلتوں اور رسوائیوں میں مبتلا کرتا ہے۔ اس بنا پر امراض اور معالجات کے قبول کرنے کے لحاظ سے نفس کا حال بھی بالکل جسم کے مانند ہے اگرچہ نفسانی امراض اور معالجات جسمانی امراض اور معالجات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

اسقدر تمہید کے بعد ہمکو نفوس کی تربیت اور امراض سے اُنکی حفاظت اور نیز اُس طریقہ کی نسبت گفتگو کرنا آسان ہوگیا ہے جس سے اُس میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت باقی رہے۔ اسکے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے (۱) اسکو اوہام کے زنگ سے صاف کرنا (۲) صحیح معلومات سے آراستہ کرنا (۳) اخلاق حمیدہ کا اسکو عادی بنانا (۴) اعتقاد کی تصحیح کرنا۔ ان چاروں امور کو ہم علیحدہ علیحدہ فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

نفس کو اوہام کے زنگ سے صاف کرنا

ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں کہ جسمانی حفظ صحت اور نفسانی حفظ صحت کے قواعد میں پوری مشابہت ہے۔ جسمانی حفظ صحت کے لیے جس چیز کی طرف سب سے اول توجہ مبذول کرنا ضروری اور لابدی ہے وہ یہ ہے کہ جسم کو ہمیشہ نجاسات اور میل کچیل سے پاک صاف رکھا جاوے، جو زندگی کے فرائض ادا کرنے سے عارض ہوتے رہتے ہیں۔ اگر جسمانی صفائی اور پاکیزگی نظر انداز کر دی جاوے تو بسا اوقات جسم پر ایسے امراض طاری ہوتے ہیں جو بنتیجہ اُسکی قوتوں کو مضمحل کر دیتے اور آخر کار انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

جسطرح مادی نجاسات اور میل کچیل جسمانی امراض کا موجب ہوتے ہیں اسی طرح اوہام اور خرافات اور باطل خیالات جو روحانی نجاسات ہیں نفسانی امراض کا باعث ہوتے ہیں اسلئے نہایت موثر وسائل کے ساتھ انکے زائل کرنے کی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوگا اور نفسانی صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو روحانی نجاسات مجتمع ہو کر نفس کو بیمار کر دینگی اور اُسکو اپنے فرائض کے ادا کرنے کے قابل نہ چھوڑینگی۔ مشاہدے سے ثابت ہو چکا ہے کہ بعض اوقات ایک باطل وہم یا غلط خیال نفس کو عارض ہو کر اکثر فضائل سے اُسکو محروم کر دیتا ہے اور اُن فضائل سے محروم ہونا ایسے امراض کا مورث ہوتا ہے جو بُزدلی اور بغض و حسد کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ مہلک امراض وہ ہیں جن کے زائل کرنے کی کوشش میں علمائے اخلاق اپنے تمام قیمتی اوقات صرف کرتے ہیں۔

اور لوگونکو اوہام اور خرافات سے بچنے کی ایسی ہی تاکید کرتے ہیں جیسی زہریلی سانپوں اور درندوں سے بچنے کی۔ انکی راے ہے کہ گذشتہ صدیوں میں جسقدر فتنے اور فساد دنیا میں برپا ہوئے ہیں ان کا صرف یہی باعث تہا کہ اُس زمانہ کے لوگ اُن تمام باتوں کو جو انکے سامنے بیان کیجاتی تہیں بلاچون وچرا تسلیم کرتے اور اُنکی تعمیل کرتے تہے، اگرچہ انکی تائید میں کوئی دلیل نہ بیان کی گئی ہو۔

مذہب اسلام نے علماے اخلاق سے بہت پہلے ان قواعد کو منضبط کیا ہے۔ اُسنے اپنے پیرؤونکو اوہام کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے اور اُنکو دکہلایا ہے کہ اکثر باتیں جنکی طرف لوگ دعوت دیتے ہیں عقل کو عیب لگانیوالی اور حق سے دور پہینکنے والی ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

" وان تطع اکثر من فی الارض	" اور (اے پیغمبر) اکثر لوگ تو دنیا میں بسے
یضلوک عن سبیل الله ان	ہیں کہ اگر انکے کہے پر چلو تو تمکو راہ خدا سے بہٹکا
یتبعون الا الظن وان	چہوڑیں۔ یہ تو صرف اپنے ذہنی خیالات پر چلتے اور
هم الا یخرصون "	نری اٹکلیں (بیٹہے) دوڑاتے ہیں۔

اور آگاہ کیا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو خدا کے سامنے جوابدہی کے واسطے کہڑا ہونا پڑے گا۔ اور جو غلط خیالات بغیر کسی دلیل کے اُسنے اپنے عقائد میں شامل کرلئے ہیں اُنکی بابت بازپرس کی جائیگی۔ اسکی نسبت خدا نے فرمایا ہے۔

" ولا تقف ما لیس لک	" اور (اے مخاطب) جس بات کا تجہکو علم (یقینی)
به علم ان السمع	نہیں (اٹکل پچو) اُسکے پیچہے نہ ہولیا کرو (کیونکہ)
والبصر والفؤاد کل اولئک	کان اور آنکہ اور دل ان سب سے (قیامت کے دن)

كان عنه مسئولا" — پوچھ گچھ ہوتی ہے"

اسکے بعد ہمارے سامنے گمراہوں کا حال بیان کیا ہے اور ہمکو دکھلایا ہے کہ یہ گمراہی صرف وہم اور گمان کی پیروی کا نتیجہ ہے اور انکو انجام کی خرابی سے متنبہ کیا ہے۔ فرمایا ہے۔

"وما يتبع اكثرهم الا ظنا ان الظن لا يغنى من الحق شيئا ان الله عليم بما يفعلون"

"اور ان لوگوں میں اکثر تو بس اٹکل پر چلتے ہیں سو اٹکل گنتی حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتے۔ جیسی جیسی (ناروائیاں) یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ اُنسے خوب واقف ہے۔

نفس کو علم و فضل کے ساتھ آراستہ کرنا

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح جسم کو مادی نجاسات اور میل کچیل سے پاک صاف کرنا ضروری ہے، اسی طرح نفس کو اوہام اور خرافات کے میل کچیل سے پاک رکھنا ضروری اور لابدی ہے۔ اور اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح مادی صفائی کے لیے ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو امراض کے مکروبات سے پاک اور صحت افزا ہوں اسی طرح نفسانی صفائی کے لئے ایسی چیز درکار ہے جو نفس کو اوہام اور وسوسوں کی ظلمات سے پاک کرنے والی ہو۔ وہ چیز جو نفس کو پاک صاف کرنیوالی ہے علم ہے، جو تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو اور جس پر محسوس دلائل قائم ہو چکے ہوں۔ یہ بالکل بدیہی بات ہے جس میں کسی ذی عقل شخص کو مطلق شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ مہذب دنیا میں جس نے سب سے پہلے یہ اصول قائم کیا وہ ڈی کارٹ ہے جو سترہویں صدی میں ایک مشہور اور نامور فلاسفر گذرا ہے۔ اور اس وقت سے علمی مسائل کی تحقیق و تنقید میں اسی کے

مذہب پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

اسلام نے نفس کو پاک کرنے اور اسکو علم و حکمت کے زیور سے آراستہ کرنیکے اصول کو دنیا میں سب سے پہلے منضبط کیا ہے اور دونوں جنسوں یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے اسکا اکتساب فرض اور واجب ٹھیرایا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "علم[ل] کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ "پیدائش سے وفات تک علم طلب کرو"

اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن کے ذریعہ سے باطل اوہام اور غلط خیالات کی رسائی علم تک ہونا ممکن ہے جس کی صحت اور صداقت پر یقینی دلیل قائم نہو چکی ہو اسکو اسلام نے علم کے نام سے موسوم نہیں کیا۔ خداوند تعالی نے فرمایا ہے۔

"ان عندکم من سلطان بھذا أتقولون على الله ما لا تعلمون"	"تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل تو ہے نہیں تو کیا بے جانے بوجھے خدا پر جھوٹ بولتے ہو"

قرآن مجید میں تصریح کی گئی کہ اکثر لوگ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر حقائق کو باطل اوہام کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حد سے بڑھنے والے کہا گیا ہے اور ان سے الگ رہنے کی ہدایت ہوئی ہے خدا نے فرمایا ہے۔

"وان كثيرا من الناس ليضلون باهواءهم بغير علم"	"اور بہت لوگ خواہی نخواہی بلا تحقیق اپنی خواہشوں کے مطابق لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں"

[ل] یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے وہ سب ضعیف ہیں مجمع البحار صفحہ ۵۱۰

اسکے بعد خدا نے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو ہوا و ہوس کے اشاروں پر چلتے ہیں اور انکو انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور قرار دیا ہے کہ انکا یہ عذر کہ ہم دوسروں کی تقلید کرنیوالے ہیں انکے لئے کچھہ مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"واذ تبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرة فنتبرأ منھم کما تبرءوا منا۔ کذلک یریھم الله اعمالھم حسرات علیھم وما ھم بخارجین من النار"

"یہ ایسا ٹہرا وقت ہوگا اُسوقت گرو اپنے چیلے چانٹوں سے دست بردار ہو جائینگے اور عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھہ لیوینگے اور اُنکے آپس کے تعلقات سب ٹوٹ جائینگے اور چیلے بول اٹھینگے کہ اے کاش ہمکو ایک دفعہ دنیا میں پہر لوٹ کر جانا ہو تو جیسے یہ لوگ آج ہم سے دست بردار ہو گئے اسیطرح کل کو ہم بہی اُنسے دست بردار ہو جائیں یوں اللہ انکو اعمال اُنکے آگے لائیگا کہ انکو وہ اعمال سراسر موجب حسرت دکہائی دینگے اور اسپر بہی اُنکو دوزخ سے نکلنا نصیب نہوگا"

اسلام نہایت بلند آواز سے (جو سوتونکو بیدار کرنیوالی اور غافلونکو چونکا دینے والی ہے) پکار کر کہہ رہا ہے کہ علم کی ضرورت صرف اُخروی زندگی کے ساتہہ مخصوص نہیں ہے بلکہ اُس کی دنیوی زندگی میں بہی ویسی ہی ضرورت ہے اور دنیا کے کاروبار بغیر علم کے انجام پذیر نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص دنیا کا خواستگار ہے اُسکو علم حاصل کرنا چاہیئے اور جو آخرت کا خواستگار ہے اُسکو علم حاصل کرنا چاہیئے اور جو شخص دونوں کا خواستگار ہے اُسکو بہی علم حاصل کرنا چاہیئے"

علم کے اکتساب میں کوتاہی کرنیوالونکو اسلام ان لوگوں سے زیادہ تر سخت ملامت

کرتا ہے جو اپنے اوسے فرائض میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " دنیا اور دنیا کی چیزیں ملعون ہیں مگر عالم اور متعلم " اور نیز فرمایا ہے کہ " زندگی میں کوئی بہتری نہیں ہے مگر گفتگو کرنے والے عالم اور یاد رکھنے والے سامع کیلئے "

اسلام ہمکو متنبہ کرتا ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں بے دینی اور الحاد کی گرم بازاری ہوگی ۔ اور اسلام کی طرف ایسی چیزیں منسوب کیجاوینگی جنکو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اسلام میں ایسے منافق علما پیدا ہونگے جو اسکی مستحکم عمارت کو منہدم کرنے کی غرض سے اسکی پاک تعلیمات کے ساتھ بیہودہ خرافات شامل کر دینگے اور اسکی بربادی کے لئے ایسے حیلے ایجاد کرینگے جنکا سمجھنا ان لوگوں کو مشکل ہوگا جو اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " میرے[1] بعد ایسے فتنے برپا ہونگے کہ ایک شخص صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوا کریگا مگر وہ لوگ جنکو خدا اسنے علم سے زندہ کیا ہے "

اسلام صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جہالت اور اسلام دو ایسی متضاد چیزیں ہیں جو ایکجگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور قرآن مجید کا سمجھنا زیادتی علم پر موقوف ہے اور جو شخص اپنی جہالت پر قانع ہے، وہ ہمیشہ کلام الہی کے سمجھنے سے محروم رہیگا جس سے اس کی تربیت اور اسکا تزکیہ مقصود ہے اور یہ ایک ایسا خسارہ ہے جسکا کسیطرح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ خداوند تعالی نے فرمایا ہے " وتلک[2] الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون "

---

[1] اس حدیث کو طبرانی نے ابی امامہ سے روایت کیا ہے سیوطی نے اسکو حسن لکھا ہے۔

[2] اور ہم یہ چند مثالیں لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور عالم ہی انکو سمجھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دُرکیا بغیر علم کے قرآن سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے" مذہب اسلام نے علم کے مرتبہ کو یہانتک بلند کیا ہے اور اُسکے اکتساب کی اسقدر ترغیب دی ہے۔ آپ کو یقیناً معلوم ہوا ہوگا وہ ترغیب ان تمام اقوال کی نسبت جو ہم آجکل تمدن کے پیشواؤں اور تہذیب و شائستگی کے حامیوں کی زبان سے سنتے ہیں انسان پر زیادہ تر موثر ہے۔ بیشک "ومن احسن من اللہ حدیثا"

نفس کو اخلاق حمیدہ سے آراستہ کرنا

ہر شخص جانتا ہے کہ جسطرح اُسکے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اسیطرح اسی طرح اُسکے نفس میں ایسی خواہشیں اور رغبتیں پیدا کی گئی ہیں جنکا نفس کو شعور ہوتا اور وہ اُنسے متاثر ہوتا ہے اور جنکا نفس سے جدا کرنا ناممکن ہے۔ پس جسطرح جسم کو بھوک پیاس اور گرمی سردی وغیرہ اندرونی اور بیرونی موثرات کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح نفس کو اُسکی بہت سی ضرورتوں کا احساس ہوتا ہے۔ اگرچہ نفسانی حاجات مثل گرمی سردی اور بھوک پیاس کے نہیں ہیں، لیکن ان چیزوں کی احتیاج کے لحاظ سے جو زندگی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہیں نفس اور جسم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بیشک نفسانی خواہشیں اور رغبتیں اگرچہ بلحاظ اپنی شکلوں اور صورتوں کے تعداد اور شمار کی حد سے باہر ہیں۔ لیکن وہ باوجود بیحد و بیشمار ہونے کے صرف ایک محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اور وہ اُس فطری کمال کی طرف میلان ہے جس کی دھندلی تصویر انسان

کبھی کبھی اپنے وجدان میں دیکھ لیتا ہے اور جس کی حسرت دل میں لیکر مرتا ہے۔

روے زمین کے عقلا نے نہایت قدیم زمانہ سے نوع انسان کے اخلاق کی تہذیب کو ایک ضروری امر خیال کرکے اُسکا اہتمام کیا ہے۔ اس بارہ میں جو انکے اقوال ہیں نہ ہم اُنکو اس مختصر کتاب میں نقل کرسکتے ہیں، اور نہ انکی عدم صلاحیت پر دلائل قائم کرنیکی ضرورت دیکھتے ہیں۔ مگر ان عظیم الشان اقوام کے حالات پر غور کرنے سے جنکو تاریخی شہرت حاصل ہے یہ امر خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ بیشک ان قوموں کے حالات پر سرسری غور کرنے اور ان کی رغبتوں کا ٹھیک رُخ دریافت کرنیسے ہمکو صاف صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ انکے پیشوا احساسات کی تربیت اور تہذیب طبائع کے بنیادی اصول سے واقف نہیں ہوسکتے بنیادی اصول سے ہماری مراد اصولِ اعتدال ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض لوگوں نے اخلاق حمیدہ کے استعمال کو صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور دیگر قوموں کے مقابلہ میں رذائل کا ارتکاب جائز قرار دیا ہے۔ اس اصول کی جھلک ان قوموں میں نہایت وضاحت کے ساتھ ابتک نظر آتی ہے جنکو دیگر قوموں پر قوی تسلط اور اقتدار حاصل رہا ہے اس دعوے کی تائید میں ہمارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جن کی کسی صورت سے تردید نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اخلاقی کمالات کی نسبت تفریط کو جائز رکھا ہے جس سے نہ دل کو سکون ہوتا اور نہ وجدان کو طمانیت حاصل ہوتی ہے اور انسان اپنے فطری کمال کی طرف اپنی رفتار کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ بعض لوگوں نے نفس کا زور توڑنے میں افراط سے کام لیا ہے اور اکثر خواہشوں اور رغبتوں کا فنا کردینا لازمی قرار دیا ہے۔

اس بارہ میں افراط کے نتائج بھی تفریط سے کسیطرح کم نہیں۔ جس قوم کے افراد میں یہ مرض پھیل جاتا ہے اُسکا نظام مختل اور اُس کی شائستگی کی عمارت منہدم ہوجاتی ہے

اور اُسکو بشیار تمدنی فتنوں میں مبتلا کرتا ہے جن کی تفصیل تاریخ کی مطول کتابوں سے دریافت ہوسکتی ہے ۔ نفسانی ریاضتوں اور عبادتوں میں افراط زیادہ تر ان قوموں میں دیکھی جاتی ہے جنکو اپنے مذہب کے سمجھنے میں غلط فہمی واقع ہوئی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مذاہب نے صرف زہد اور تبتل کی تعلیم دی ہے اور زمین کی تمام چیزوں کے دائرہ سے بالکل باہر نکلجانیکا حکم دیا ہے ۔ لیکن ان کے پیرو اسباب سے غافل ہو گئے ہیں کہ اس قسم کے مذاہب کی عمر ایک خاص زمانہ تک محدود ہوتی ہے اور اُسکے گذرنے کے بعد انپر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ ان مذاہب سے صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ انسانی نفوس کو شائستگی کے ایک زیادہ اونچے درجہ کے لیئے تیار کیا جاوے ۔ جسوقت تک انسانی طبیعت میں اس درجہ کی قابلیت نہ پیدا ہو اسوقت تک اُسپر پہنچنا ناممکن ہے ۔ اس دوسرے درجہ کی نسبت ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ وہ خواہشات کی تحدید میں انتہائی درجہ ہے جہاں انسان کا پہنچنا ممکن ہے ۔ اور وہ اصول اعتدال ہے ۔

بیشک اعتدال کا اصول وہ عظیم الشان اصول ہے، جسپر ہر چیز کا قوام اور ہر ایک چیز کی ہستی منحصر ہے ۔ اگر اس دعوے کی تائید میں آپ کو کسی دلیل کی ضرورت ہو تو تمام علوی اور سفلی کائنات پر نظر کرنا چاہیئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ زمین کے بسیط مادی ذرات سے لیکر آسمان کے بڑے سے بڑے اور نورانی سیاروں تک زبان حال سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ انکا وجود صرف اعتدال کی بنیاد پر قائم ہے ۔ جس طرح ہر ایک چیز کا کمال صرف اعتدال کی طرف منسوب ہوتا ہے اسیطرح اُسکا اختلال سوائے عدم اعتدال کے اور کسی طرف منسوب نہیں ہوسکتا ۔ روے زمین کے عقلا کے نزدیک اس بات میں کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہا کہ اعتدال کا اصول ایک ایسا قاعدہ ہے جسپر تمام کار و بار اور تمام جسمانی اور

نفسانی ضرورتوں کی بنیاد ہونی چاہئے۔ علامہ لاروس نے عباد اور زہاد کے ایک گروہ کا حال لکھا ہے۔ یہ گروہ خیال کرتا ہے کہ آخرت میں تقرب الہی کے اعلیٰ درجات صرف اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ سخت ریاضات اور مجاہدات کے ذریعہ سے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں اپنی تمام نفسانی رغبتوں کو فنا کردیں اور نفس کو اسکی ہر قسم کی خواہشوں سے محروم رکھیں۔ علامہ مذکور نے اس گروہ کی طرف ایسے وحشیانہ امور منسوب کئے ہیں جو سوائے ان لوگوں کے جو سخت جنون میں مبتلا ہوں کسی شخص سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ اسکے بعد لکھا ہے کہ "یہ لوگ جو نیچر کی تاثیر کو باطل کرنا چاہتے ہیں درحقیقت اپنی خواہشوں پر قربان ہو رہے ہیں کیونکہ انہوں نے بجائے اسکے کہ وہ نفسانی خواہشات کو اعتدال کے ساتھ پورا کرتے ہیں بوجہ جنون کے انکا بالکل استیصال کرنا چاہا ہے۔"

نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کے معاملہ میں افراط اور تفریط کے لحاظ سے تمام قوموں کی یہی حالت تھی۔ حتیٰ کہ حقانیت کے آسمان سے اسلام کی روشنی نمودار ہوئی اور تاریکی کا وہ پردہ جو فضائل اور کمالات کے چہرہ پر پڑا ہوا تھا دور ہوا۔ قرآن مجید کی آیتوں نے افراط اور تفریط کرنیوالوں کو ملامت کی ہے اور انکو دنیا اور آخرت میں انجام کی خرابی سے ڈرایا ہے اور اس بارہ میں نہایت حکمت کے ساتھ اعتدال کے اصول کو مستحکم کیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہمکو دنیا میں اسلئے نہیں پیدا کیا کہ وہ ہمکو ایسی عبادات شاقہ کی مصیبت میں مبتلا کرے جو نفسانی احساسات کو فنا کرنے والی ہیں بلکہ یہ احساسات ہمکو اسلئے عطا فرمائے ہیں کہ ہم حکمت اور دانائی کے ساتھ تمام مرحلے طے کرکے نفسانی کمال کے اس درجہ کو پہونچ جائیں جو قدرت نے ہمارے

واسطے قرار دیا ہے - اور ہمکو دکھلایا ہے کہ جسقدر جسمانی یا قلبی عبادات کا ہمکو حکم دیا گیا ہے اس سے صرف یہی نتیجہ مقصود ہے - خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے - "اللہ تمپر کسیطرح کی تنگی کرنی

"ما یرید اللہ لیجعل	نہیں چاہتا لیکن تمکو صاف ستھرا رکھنا چاہتا
علیکم من حرج ولکن	ہے اور (نیز) یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنا
یرید لیطہرکم ولیتم نعمتہ	احسان پورا کرے تاکہ تم اس کا
علیکم ولعلکم تشکرون"	شکر کرو"

اسلام نے ہمکو صراحت کے ساتھ بتلا دیا ہے کہ مذہب میں غلو کرنا ایسا امر نہیں ہے جس کی خدا نے اپنے بندوں کو تکلیف دی ہو بلکہ خدا کی ذات اس عیب سے منزہ ہے کہ وہ بندوں کو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف دے (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا) ہمکو تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر قومیں مذہبی غلو کی بدولت جسکو صرف انکے خیالات نے ایجاد کیا تھا برباد ہوچکی ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مذہبی غلو سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پیشتر بہت سی قومیں اس کی بدولت ہلاک ہوچکی ہیں" اسلام نے ان لوگوں کی طرف بھی توجہ مبذول کی ہے جو خیال کرتے ہیں کہ عبادت میں اپنے آپ کو ہلاک کر دینا اور ریاضات اور مجاہدات شاقہ میں جسم کو گھلا ڈالنا خدا کے سامنے ان کی شدت اخلاص کو ظاہر کرتا ہے - ایسے لوگوں کو للکارا ہے کہ وہ خدا کو ایسے وصف کے ساتھ متصف کرتے ہیں جو اسکی صفات کمال سے خارج ہے اور انکو متنبہ کیا ہے کہ یہ ریاضات اور مجاہدات جو اعتدال سے خارج ہیں نہ صرف بے مصرف اور محض بے سود ہیں بلکہ وہ خدا کی ناراضی اور اسکے غصہ کا موجب ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص[1] خدا کی رخصت

[1] اس حدیث کو احمد بن حنبل نے مسند میں ابن عمر سے روایت کیا ہے - یہ حدیث حسن ہے -

کو قبول نہ کریگا اُسکے ذمہ مثل عرفہ کے پہاڑوں کے گناہ ہوگا"

اسلام دینی اور دنیوی سعادت کو جامع اور دنیوی و اخروی زندگی کے اصول پر مشتمل ہے اسلئے نہ اُسنے رہبانیت اور تبتّل کو جائز رکھا ہے اور نہ اُسنے قومی اور دنیوی کاروبار چھوڑ کر پہاڑوں میں بیٹھکر عبادت کرنا مباح قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ تمام باتیں اسلام کے منافی اور غضب الٰہی کا موجب ہیں۔ "روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص عبادت کی غرض سے پہاڑ میں جا رہا۔ لوگ اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ "نہ تجھکو اور نہ تم میں سے کسیکو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام کے بعض مقامات میں ایک ساعت صبر کرنا چالیس سال تنہائی کی عبادت سے بہتر ہے""

مذہبی اعتدال کے لحاظ سے مذہب اسلام کی یہ حالت ہے جو نوع انسان کو دنیوی اور اخروی سعادت کی طرف لیجانیوالا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کے معاملہ میں بھی وہ اعتدال کے اصول پر قائم ہے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کسی خواہش اور رغبت کا قتل کرنا جائز نہیں رکھتا بلکہ وہ بلا افراط اور تفریط کے اُنکو اعتدال کے درجہ پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً سخاوت ایک خصلت محمودہ ہے مگر اسلام میں وہ اسیوقت تک فضیلت شمار کیجاتی ہے جبکہ اعتدال کا لحاظ رکھا جائے لیکن اگر ایسا نہوگا تو وہ خصلت مذموم شمار ہوگی اور گناہ سمجھی جاویگی۔ جس کی نسبت انسان کو جوابدہی کرنا پڑیگی۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اُسکا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بیجا مت اُڑاؤ کیونکہ دولت کو بیجا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے" اور اپنا ہاتھ

" وآتِ ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

وكان الشيطان لربه كفورا"
" ولا تجعل يدك مغلولة الى
عنقك ولا تبسطها كل البسط
فتقعد ملوما محسورا "

نہ تو اتنا سکیڑو کہ گویا گردن میں بندہا ہے اور نہ
بالکل اُسکو پہیلا ہی دو اگر ایسا کروگے تو تم ایسے
بیٹہے رہجاؤگے کہ تم کو ملامت ہی کرینگے اور
تم تہیدست ہی ہوگے ۔"

اسی طرح تواضع ایک محمود خصلت ہے جو انسان کو عزت اور شرف کے مقامات پر بلند کرتی ہے اور جس کی عادت ڈالنے کی اسلام نے ہمکو ترغیب دی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " اگر کوئی متواضع شخص بالفرض کنوے کے اندر ہو تو خدا ایسی ہوا کو بہیجتا ہے جو اُسکو بلندی پر لے آتی ہے ۔ مگر اسی کے ساتہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمکو آگاہ کیا ہے کہ اُس میں اس حد تک افراط نہونا چاہیئے جو ذلت کے درجہ کو پہونچ جاوے اور ہمکو متنبہ کیا ہے بعض لوگ ایسے ہیں جنکے سامنے تواضع اور فروتنی اختیار کرنا بہتر ہے اور بعض لوگوں کے ساتہ ترفع اور خودداری اولی ہے ۔ تاکہ ہر شخص جسطرح اپنی زبان سے ناصح ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے مونہہ سے ناصح ہو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " جو شخص تمہارا لئے واجب نہیں سمجہتا تو تم اُسکے لئے بہی واجب نہ سمجہو ۔ جو شخص تمہاری اسقدر تعظیم نہیں کرتا جسقدر کہ تم اُسکی کرتی ہو تو تم اُسکے ساتہ مت رہو ۔ اگر تم میری امت میں تواضع کرنے والونکو دیکہو تو اُنکے ساتہ تواضع اور فروتنی سے پیش آؤ اور اگر متکبرونکو دیکہو تو اُنکے ساتہ تکبر کرو ۔ متکبر کے ساتہ تکبر کرنا باعث ثواب ہے "

غرضکہ اسی طرحپر ہمکو اسلام اخلاق حمیدہ کے ٹہیک ٹہیک اندازہ کی تعلیم دیتا اور انکا حقیقی رستہ بتلاتا ہے تاکہ انسان نہ تو ایسا میٹہا ہو کہ لوگ اُسکو کہا جائیں اور نہ ایسا کڑوا ہو کہ تہوک دیں جیسا کہ ایک حدیث کا مضمون ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جو تمدنی زندگی کے منافی اور

اور اُس کی ترقی میں سنگ راہ ہے۔

آپ خیال کرسکتے ہیں کہ اُس قوم کے سرکشوں اور نافرمانوں کی بدی اور شرارت کی کیا نوبت ہوگی جسکے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ حد اعتدال سے تجاوز کرکے ارذل کے درجہ کو پہونچ گئے ہونگے۔ اگر شریروں سے ہر جرم میں معافی اور ہر گناہ سے درگذر اور ہر ایک شرارت سے چشم پوشی ہوگی تو انکی نالائقی اور ناہنجاری کس درجہ تک پہونچ سکتی۔ بلا شک وشبہہ اسکا نتیجہ ہوگا کہ سرکش زیادہ تر دلیری کیساتھ کشتی اور جرائم کا ارتکاب کرینگے اور امن عامہ میں خلل انداز ہونگے۔ اور ہمیشہ کے لئے ادب اور تہذیب سے محروم رہینگے اور صرف یہی دونوں امر ہیں جن کی تکمیل سوائے سخت سزاؤں کے نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا میں خدا کی حدود کا قائم کرنا چالیس دن کی متواتر بارش سے زیادہ تر موجب سرسبزی ہے"

تمدنی زندگی کی ایسی حالتیں ہیں جن کی نسبت محض سرسری اور سطحی طور پر بھی گفتگو کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجایش نہیں ہے۔ اس زندگی کے مشکلات کے حل کرنے کے لئے تمام فطری قوتوں کی بیداری اور ہوشیاری اور تمام اعضا کی چستی و چالاکی درکار ہوتی ہے۔ بلکہ یہ ایک مسلسل اور دائمی جنگ ہے جس میں انسان اپنے یوم ولادت سے زندگی کی آخری رمق تک مصروف اور سرگرم کارزار رہتا ہے۔ انسان کے جسمانی اور نفسانی مطالب اور زندگی کی ضروریات نے اس جنگ کا اعلان دیا ہے ہر شخص جو دنیا میں رفعت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اُسکو اس ہولناک مقابلہ میں شریک ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ خدا کی حکمت نے اس جنگ کی آگ کو اسلئے مشتعل کیا ہے کہ انسانی نفوس کی مخفی قوتیں ظاہر ہوں اور انسان اپنے اندرونی اسرار اور عجائبات سے

غافل نہ رہے " ونبلوکم بالشر والخیر فتنة والینا ترجعون "

مثال کے طور پر خاندان کی حالت پر غور کرو۔ اگر کسی گھرانے کا سرپرست ضرورت سے زیادہ حلیم و سلیم ہو اگر اسکے اخلاق حمیدہ حد اعتدال سے اسقدر بڑھے ہوئے ہونگے کہ وہ اپنے خاندان کے بچوں کی تمام بدیوں اور شرارتوں سے درگذر کرتا رہیگا تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس خاندان کی اخلاقی حالت کیسی ہوگی۔ کیا اس خاندان کے بچے اپنی بدی اور شرارت پر زیادہ تر دلیر نہونگے ؟ بیشک جس خاندان کو بدقسمتی سے ایسا باپ میسر ہوگا اس کی حالت میں بدنظمی اور اختلال واقع ہونا ایک امر لازمی ہوگا اس میں شک نہیں کہ ایسا باپ منصفانہ قانون کے اعتبار سے مجرم خیال کیا جائیگا اور اسکو اخلاق کے ایک معتدل طریقہ کی طرف رہنمائی کرنا واجب ہوگا۔ اگر باعتبار خاندان کے یہ بات صحیح ہے تو باعتبار سوسائٹی کے زیادہ صحیح اور واضح ہوگی۔

اسلام نے انسانی نفوس کو خواہشات کی افراط و تفریط سے بچایا اور انسان کے لئے ایک ایسا معتدل طریقہ قائم کیا جو سنن عالم اور قوانین زندگی کے ساتھ بالکل مناسبت اور مطابقت رکھتا ہے اور جس کی بدولت انسان کا نفس حقیقی آزادی حاصل کر سکتا اور نہایت امن و اطمینان کے ساتھ ترقی کی تمام منزلیں طے کرکے کمال کے اعلیٰ مدارج پر پہونچسکتا ہے " اور مسلمانو! جیسے ہمنے تمکو ٹھیک قبلہ بتا دیا ہے اسیطرح ہمنے تمکو بیچ کی اس

" وکذلک جعلناکم امة — کی امت بھی بنا دیا ہے تاکہ اور لوگوں کے
وسطا لتکونوا شهداء علی الناس — مقابلہ میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلہ میں
ویکون الرسول علیکم شهیدا " — تمہارے رسول محمد گواہ بنیں۔

تصحیح الاعتقاد

ہم گذشتہ فصلوں میں نفس کو اوہام کی غلاظتوں سے بذریعہ صحیح علم کے پاک صاف کرنے کی ضرورت پر گفتگو کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ نفسانی صحت کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ نفس کی تمام خواہشوں اور رغبتوں میں قانون اعتدال کا لحاظ رکھا جاوے۔ اب ہم نفسانی سعادت کی نسبت بحث کرنا چاہتے ہیں اور بتلانا چاہتے ہیں کہ نفس کو کیونکر اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔

ہم بعض لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں جو جسمانی صحت سے متمتع ہیں، دولت اور ثروت کا ایک معقول ذخیرہ انکے پاس موجود ہے اور مختلف علوم وفنون میں اُنہوں نے تعلیم وتربیت پائی ہے مگر باوجود ان تمام باتوں کے انکو ہر وقت ایک قسم کی اندرونی گھبراہٹ اور دلی بے اطمینانی اور بے چینی اور سخت حیرت محسوس ہوتی ہے جو ان کی تمام راحتوں اور لذتوں میں مثل کانٹے کے کھٹکتی رہتی ہے۔ انکو اپنے دل میں ایک ایسا تکدر اور ملال محسوس ہوتا ہے جسکا کوئی سبب انکو معلوم نہیں ہوتا اور جو صرف اُسی وقت زائل ہوتا ہے جبکہ آب آتشیں رنگ کا ایک گلاس انکی عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ام سپر فریفتہ اور دلدادہ ہیں اور اُس کی مفارقت پر بالکل صبر نہیں کر سکتے کیونکہ انکے اندرونی رنج وملال کی صرف یہی ایک دوا ہے۔

پس میں دریافت کرتا ہوں کہ باوجود جسمانی صحت اور مالی ثروت کے جن پر انسانی سعادت کا دارومدار سمجھا جاتا ہے اس اندرونی بے چینی اور اضطراب کا کیا باعث ہے

اور باوجودیکہ انہوں نے متعدد علوم و فنون کی تعلیم و تربیت پائی ہے جو وسوسوں کے امراض کے لئے ایک مجرب دوا خیال کیجاتی ہے اس وجدانی حیرت اور دلی وحشت کا کیا سبب ہے ؟۔ کیا یہ اندرونی اضطراب ہمکو نہیں بتا رہا ہے کہ نفس کسی دوسری چیز کا مشتاق ہے جسکا علم اگرچہ انسان کو نہیں ہے مگر اسکے آثار صاف صاف دلالت کر رہے ہیں ؟ یہ چیز جسکا نفس مشتاق ہے نہ جسمانی صحت ہے نہ زیادتی دولت و ثروت نہ کثرت اولاد نہ عالیشان محلوں کی سکونت نہ مزیدار کھانوں کی لذت اور نہ نغمات موسیقی اور دیگر قسم کی عیش و عشرت ہے۔ بلکہ یہ تمام چیزیں اسکے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور تمام کائنات اسکے سامنے محض لاشی ہے۔ وہ کونسی جلیل القدر چیز ہے کہ اگر وہ حاصل ہو جاوے تو نفس کو اطمینان اور سکون اور قناعت کی دولت حاصل ہو جاوے ؟ بلاشک و شبہہ وہ چیز صحت اعتقاد ہے۔ اسکی دلیل حسب ذیل ہے۔

نفس کی طبیعت ان ٹھوس اجسام اور بے شعور مادہ کی طبیعت سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلئے وہ زمین کی حقیر اور ذلیل چیزوں کے ساتھہ مانوس نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسکی طبیعت محض نورانی ہے اسوجہ سے وہ نورانی چیز کے ساتھہ مانوس ہوتا ہے جو زمین کی کثیف چیزوں کی تاریکیوں کو روشن کرتی اور نفس کو اسکے اعلیٰ اور قدسی مقامات پر پہونچاتی ہے نفس کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ جسمانی خواہشات اور فانی لذات پر قناعت کر سکے۔ خواہ انسان دولت اور ثروت جمع کر کے اپنے نفس کو کتنا ہی مغالطہ دے مگر اس قسم کی باتوں سے اسکے اضطراب میں سکون پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ایسے شخص پر نفس متواتر حجت قائم کرتا رہتا ہے تاکہ اسکو سیدھے رستہ کی ہدایت ہو۔ پس اگر وہ غور و فکر کر کے اس راز کی حقیقت کو سمجھہ لیتا ہے اور نفس جس چیز کا مشتاق ہے اسکے لئے مہیا کرتا ہے

تو فوراً اُس اندرونی اضطراب میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ انسان کیسے ہی سخت مصائب اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو۔ نفس کی یہ تمنا کس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے؟ اسکا ذریعہ صرف عقل ہے " الدین ھو العقل ولا دین لمن لا عقل لہ "۔

عقل نوع انسان کی بہترین خصوصیت اور خدا کی افضل ترین نعمت ہے۔ جو انسان کو عطا ہوئی ہے۔ جس مقصد کے لئے یہ عظیم الشان نعمت عطا ہوئی ہے اگر اُسی مقصد میں استعمال کیجائے اور اُسکی صحت اور اعتدال قائم رکھنے کے لئے توجہ مبذول کیجائے تو اُس سے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل کے ذریعہ سے انسان اس عظیم الشان عالم کے اسرار کا سراغ لگاتا اور قوانین فطرت جو اُسپر مسلط ہیں اُنکو دریافت کرتا ہے اور اسطرح پر خالق کے وجود اور اُسکے افعال کے عبث سے منزہ ہونے پر استدلال کرتا ہے اور نیز اُسکے علم اُسکی تدبیر اور رحمت حکمت اور قدرت پر ایسے محسوس دلائل مشاہدہ کرتا ہے جنمیں شک و شبہ کی مطلق گنجایش نہیں ہوتی۔ انسان عقل کے ذریعہ سے انسانی گروہوں کے حالات پر غور کرتا اور اُنکی پستی اور بلندی اور ترقی اور تنزل کے اسباب کو دریافت کرتا ہے۔ عقل ہی سے انسان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے حالات میں خوض کرتا ہے جنکو خدا مخلوق کی ہدایت اور تلقین کے لئے مبعوث فرماتا ہے اور اُن کی شریعت اور اُنکے آثار میں غور کر کے جو انہوں نے چھوڑی ہیں نوع انسان کے لیئے نبوت کی ضرورت پر خیالات اور احساسات اور مذاہب کے اختلافات سے خدا کی حکمت پر استدلال کرتا ہے۔ عقل ہی کے ذریعہ سے انسان گذشتہ اور موجودہ حالات میں امتیاز کرتا ہے اور مذاہب خاصہ اور مذاہب عامہ میں فرق کرتا ہے۔ اور علمی مسائل اور بدیہیات کے ذریعہ سے اُس مذہب سے واقف ہوتا ہے جو تمام مذاہب کا ختم کرنیوالا اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا ہے۔

خدا کی حکمت اور قدرت اس امر کو مقتضی ہوئی کہ وہ کائنات کو ایک ایسی مستحکم ترتیب کے ساتھ پیدا کرے جو غور کرنے والوں کے لئے خاموشی کی زبان میں بولتی اور ذکر کرنیوالوں کے سامنے وضاحت کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔

عقل سے عبرت حاصل کرنے کے بغیر نفس اپنے عقیدہ کی تصحیح نہیں کر سکتا اور اسی بنا پر اسکے اضطراب میں سکون بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس سے انکار نہیں کہ نوع انسان پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے جبکہ انسانی عقل اپنے بچپن کی حالت میں تھی۔ اسوقت ایمان لانے کے لئے اسکو یہی بات کافی تھی کہ وہ بعض خارق عادات امور دیکھکر حیران ہو جائے۔ خداوند تعالی اپنے بندوں کی طرف پیغمبر مبعوث فرماتا تھا اور ان کو ایسی خصوصیتوں سے ممتاز کرتا تھا جنکے اسرار دریافت کرنے سے انکی عقلیں قاصر ہوتی تھیں اور ان کو حیرت دامنگیر ہوتی تھی اور اسلئے وہ اس قسم کے معجزات اور خارق عادات کو دیکھکر رسول کی صداقت اور انکے اتباع کی ضرورت پر ایمان لاتے تھے۔ مگر اسوقت جبکہ نوع انسان اپنے بچپن کے زمانہ سے گذر کر سن تمیز کو پہونچ چکی اور انسانی عقل کی تکمیل ہو چکی ہے معجزات اور خوارق عادات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علمی مواد کی کثرت سے بیشمار شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے۔ اگر اسوقت کوئی عجیب اور غیر معمولی واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسکو مکاری اور عیاری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اگر اس اتہام سے اس کی بریت ظاہر ہو جاتی ہے تو اس عجیب واقعہ کی بیشمار وجوہ اور تاویلات کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یورپ میں روحانیوں (اسپریچولسٹ) کا ایک نیا گروہ پیدا ہوا ہے جس سے ایسے عجیب و غریب اور خارق عادات امور ظاہر ہوتے ہیں جنکو دیکھکر جہلا سب سے بڑا معجزہ خیال کرینگے حالانکہ یہ گروہ نبوت اور رسالت کا مدعی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو حیرت انگیز امور

اس گروہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی قسم سے نہیں ہیں لیکن وہ بلا شک و شبہ ظاہر ہیں لوگوں کی نظر میں معجزات کی اہمیت کو بالضرور کم کرنے والے ہیں۔

اس دعوے کی موئد کہ ان اخیر صدیوں میں معجزات کے مسائل کو رواج نہیں ہو سکتا ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ علماء یورپ گذشتہ زمانہ کی تمام معجزات کی تکذیب کرتے ہیں یہ اگرچہ انکی ہٹ دھرمی ہے لیکن انکے اس قول کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا کہ "ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں اعتقاد کے لئے عقلی روشنی اور علمی دلیل کے سوا کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ میبیو ہنری برنجیہ نے ریویو اف ریویوز مطبوعہ ۱۵ اپریل ۱۸۹۰ء میں لکھا ہے کہ "علم اور تاریخ سے ان تمام معجزات کا بطلان ثابت ہو چکا ہے (معاذ اللہ) مگر وہ روح کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے جو انکے لئے مبعوث ہوئی ہے۔ ہمکو کسی معجزہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا ابد الآباد تک باقی رہنے والا معجزہ یہ عظیم الشان عالم ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ یہ زندہ معجزہ ہمارے دینی احساسات کو بیدار کرنے کی تمام گذشتہ معجزات کی نسبت زیادہ تر صلاحیت رکھتا ہے"

یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام معجزات اور خارق عادات سے قطع نظر کرکے عقلی بدیہیات اور علمی مسائل کے ذریعہ لوگونکو راہ حق کی طرف دعوت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں انسانی عقول پر معجزات اور خوارق عادات کی نسبت علمی مسائل زیادہ تر موثر ہونگے بیشک اسلام عقل کی طرف خطاب کرتا اور فکر سے محاسبہ کرتا ہے وہ لوگونکو خدا کے وجود اور اس کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی طرف دعوت دیتا ہے مگر اسی کے ساتھ وہ انسانی عقل کو ان حسّی دلائل اور براہین کیطرف متوجہ کرتا ہے

جو ان مسائل کے مؤید ہیں۔

خدا کو معلوم تھا کہ بعض لوگ جو بڑائی اور عظمت حاصل کرنے کے خواستگار ہونگے وہ مذہب میں ایسی باتیں ایجاد کرینگے جن کے ذریعہ سے وہ عوام الناس کو اپنا غلام اور اپنی خواہشات کا تابع کرسکیں۔ اسلئے اپنے اخیر مذہب میں جو مذاہب کا ختم کرنیوالا ہے، قرار دیا کہ اس قسم کی ہر ایک دعوت پر علمی دلیل طلب کرنا چاہیے کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو حق و باطل میں تمیز کرنیوالی اور اہل باطل کی ہمتوں کو پست کرنیوالی ہے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون"
"قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

"پس افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھیں پھر لوگوں سے کہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے اُتری ہے تاکہ اُسکے ذریعہ سے تھوڑے سے دام یعنی دنیوی فائدے حاصل کریں پس افسوس ہے اُن پر کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں لکھا اور پھر افسوس ہے اُن پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں۔ اے پیغمبر اُن لوگوں سے کہو اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔"

مذہب اسلام ان لوگوں کو سخت ملامت کرتا ہے جو اپنے آباؤ اجداد کی اندھا دھند تقلید کرنے کے عادی اور انکے باطل اعتقادات پر بغیر تحقیق اور غور و فکر کے ثابت قدم ہیں اور انکو انجام کی خرابی سے ڈراتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اللہ نے اتارا ہے اُسکی اور رسول خدا کی طرف چلو اور جو حکم دیں سو مانو اُسکے جواب میں کہتے کیا ہیں کہ جس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو

حسبنا ما وجدنا عليه   پایا ہو وہی طریقہ ہمارے لئے بس کرتا ہے کیا یہ لوگ اسی

آباءنا أولو كان آباؤهم لا   پرانی لکیر کے فقیر رہینگے اگرچہ انکے باپ دادا کچھ نہ جانتے

يعلمون شيئا ولا يهتدون"   ہوں اور نہ راہ راست پر رہے ہوں "

اسلام نے قرار دیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی یہ حجت مفید نہیں ہو سکتی کہ اسنے دوسرے شخص کی تقلید کی ہے کیونکہ خود اسکو بھی عقل دی گئی ہے جو حق و باطل اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے " اور ایک وقت ہوگا کہ دوزخی

" وإذ يتحاجون في النار   ایک دوسرے سے دوزخ میں جھگڑینگے تو ادنی

فيقول الضعفاء للذين   درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے

استكبروا إنا كنا لكم تبعا فهل   کہ ہم تمہارے تابع تھے تو اب تم تھوڑی سی آگ بھی

أنتم مغنون عنا نصيبا   ہم پر سے ہٹا سکتے ہو بڑے لوگ کہینگے کہ اب تو

من النار. قال الذين كفروا   ہم تم سب اسی آگ میں پڑے ہیں اللہ تو اپنے

إنا كل فيها إن الله قد حكم بين العباد   بندوں کے بارہ میں جو کچھ حکم دینا تھا سو دے چکا "

" وقالوا لو كنا نسمع   " اور یہ لوگ دوزخ کے فرشتوں سے بھی کہینگے کہ

أو نعقل ما كنا في أصحاب   اگر ہم نے پیغمبروں کے کہنے کو سنا یا سمجھا ہوتا تو آج کو

السعير "   دوزخیوں میں نہ ہوتے "

اسلام نے ہمارے سامنے نہایت بلیغ عبارت میں تصریح کی ہے کہ صرف قوی حجت پر مذہب اور اعتقاد کا دارومدار ہے جس شخص نے اسکو ضائع کر دیا اسنے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے نفس کو سخت مصیبت میں ڈالا ہے کیونکہ اسنے ضائع کرکے ایک ایسی بڑی چیز ضائع کر دی ہے جسپر قیامت کے دن اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"ونزعنا من كل امة شهيدا فقلنا هاتوا برهانكم فعلموا ان الحق لله وضل عنهم ما كانوا يفترون"

"اور ہر ایک امت میں سے ہم ایک گواہ یعنی پیغمبر کو الگ کرلینگے اور وہ کافروں کے خلاف گواہی دینگے پھر ہم امت کے لوگوں سے کہینگے کہ اپنی برات کی دلیل پیش کرو اُسّے اُن لوگوں کو معلوم ہو جایگا کہ حق بجانب خدا ہے۔ اور دنیا میں جیسی جیسی جھوٹی باتیں وے بنایا کرتے تھے اُسدن سب اُنسے گُم گُذری ہو جائینگی۔"

غرضکہ یہ قواعد ہیں جو اسلام نے اعتقاد کے بارے میں قرار دئے ہیں اور یہ اُس عام مسلمہ اصول کے ساتھ بالکل مطابق ہیں جسپر ان اخیر صدیوں میں روئے زمین کے جمہور حکماء نے اتفاق کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قول کی تائید دلائل سے نہیں ہوتی اسکو بھول جانا چاہئے۔ آپ خیال کرسکتے ہیں کہ ایک مسلمان کے عقائد میں جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہے کیونکر انحراف واقع ہوسکتا ہے جبکہ وہ ہر وقت اپنے وجدان میں باطل اور اوہام اور گمراہیوں سے روکنے والی یہ آواز سنتا ہے۔

"ولا تقف ما ليس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا"

"اور اے مخاطب جس بات کا تجھکو علم یقینی نہیں اٹکل پچو اُسکے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ ہونی ہے۔"

بلکہ ایک مہذب مسلمان ہوا و ہوس کی کشش سے کسطرح پر گمراہی اور کجروی اختیار کرسکتا ہے جبکہ قران مجید کی یہ آیت جس میں غافلوں کی حالت بیان کی گئی ہے جو گمراہی

اختیار کرنے اور اسپر قائم رہتے اور اپنے نفوس کو خرافات کی تصدیق کے لیئے وقف کر دیتے ہیں اُسکے صفحہ دل پر منقوش ہے۔

"ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا
من الجن والانس لہم
قلوب لا یعقلون بہا
ولہم اعین لا یبصرون
بہا ولہم اذان لا
یسمعون بہا اولئک
کالانعام بل ہم اضل
اولئک ہم الغفلون۔"

"اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان
جہنم ہی کے لیئے پیدا کیئے ہیں اُنکے
دل تو ہیں مگر اُنسے سمجھنے کا کام نہیں لیتے
اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں مگر اُنسے دیکھنے کا کام
نہیں لیتے۔ اور اُنکے کان بھی ہیں مگر اُنسے سُننے کا کام
نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ
اُنسے بھی گئے گذرے ہوئے یہی وہ لوگ
ہیں جو دین سے بالکل بیخبر ہیں"

اے خدا! توہمکو اپنے دین میں بصیرت دے جو سچی تہذیب اور حقیقی شائستگی کا دین ہے اور ہمکو اُس کی سیدھی راہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری خیالات پر باطل اوہام کا جو زنگ آگیا ہے اُسکو اپنی رحمت سے دور کر۔ بیشک تو تمام دعاؤں کا سُننے والا اور قبول کرنیوالا ہے۔

جسمانی ضرورتیں

نفسانی ضروریات کی نسبت ہم اپنی گفتگو ختم کر چکے ہیں اب ہمکو صرف جسمانی ضرورتوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی رہا ہے - ان دونوں قسم کی ضروریات کے باہم متحد اور متناسب ہونے سے انسان کو روحانی اور مادی سعادت و فلاح حاصل ہوسکتی ہے جس کے لئے وہ ابتدائے آفرینش سے لیکر اسوقت تک کوشش کر رہا ہے - مادی سعادت دو باتوں پر موقوف ہے - حفظان صحت اور جسمانی امور میں اعتدال - پس ہم ان دونوں کی نسبت علٰحدہ علٰحدہ فصلوں میں بحث کرتے ہیں -

حفظانِ صحت

ہم پہلی فصلوں میں بیان کر چکے ہیں کہ عقلی صحت جو انسان اور حیوان کے درمیان مابہ الامتیاز ہے جسمانی صحت کے ساتھہ نہایت قوی تعلق اور گہرا ارتباط رکھتی ہے انسان کی حالات پر سرسری غور کرنے سے اس مسئلہ کی صداقت معلوم ہوسکتی ہے - مہذب دنیا کے حکما نے اس مہتم بالشان بھید کا سراغ لگا لیا ہے - یہی وجہ ہے کہ وہ اصول حفظانِ صحت کی توضیح اور تنقیح میں جن سے قوائے جسمانی کی حفاظت ممکن ہے نہایت اہتمام کرتے ہیں تاکہ بچوں کو عقلی قوت کے بڑھانے والے اصول کے ساتھہ ساتھہ ان اصول کی تعلیم و تربیت

دیجائے۔ یہ اصول انہوں نے اس خیال سے قرار دئے ہیں کہ تمام مذاہب جسمانی صحت کو برباد کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ آخرت کی ابدی نعمتوں کا صرف اُسی شخص سے وعدہ کرتے ہیں جو اپنے جسمانی امور سے بالکل یکسو ہوکر صرف روحانی خدمات میں مصروف رہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مذاہب کی طرف بعض معیوب اور نامناسب باتیں منسوب کی ہیں جنکو ہم اس مقام پر نقل کرنا ضروری نہیں خیال کرتے۔ بلکہ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے حقیقی حفظان صحت کے قواعد مدون کرنے میں جن کی بنیاد عقلی اور جسمانی صحت کے باہمی تعلق اور ارتباط پر ہے روے زمین کے تمام حکما پر سبقت کی ہے اور انکو منجملہ ایمانی اصول کے قرار دیا ہے اور اپنے تمام پیرؤوں کو ان قواعد کی پابندی کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دی ہے۔ اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ صحت خدا کی ان تمام نعمتوں میں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں بہترین نعمت ہے۔ سوائے کلمہ توحید کے کوئی چیز علو مرتبہ میں اس سے افضل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "معافی[1] اور صحت کی خدا کی جناب میں دعا کرتے رہو کیونکہ ایمان کے بعد صحت سے بہتر کوئی نعمت بندوں کو نہیں دی گئی"

اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے حفظان صحت کے بنیادی اصول مثلاً صفائی اور پاکیزگی اور جسمانی اور عقلی ریاضت کی تاکید کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پاکی[2] ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کھیلوں[3] میں جو چیز خدا کی نزدیک زیادہ ترپسندیدہ ہے وہ گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی ہے وقتاً فوقتاً اپنے دلوں کی تفریح کرتے رہو"

مذہب اسلام امراض کو خدا کا عذاب خیال کرتا ہے، جو قوانین مقررہ کی مخالفت اور اصول حفظان صحت کی نافرمانی سے بندوں پر نازل ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے۔ اسکو ترمذی نے ابوبکر سے روایت کیا ہے۔ [2] یہ حدیث صحیح ہے اسکو مسلم اور ترمذی نے ابو مالک الاشعری سے روایت کیا ہے۔ [3] یہ حدیث جسکو کامل ابن عدی نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے مگر مسلم میں ایک حدیث صحیح عقبۃ بن عامر سے مروی ہے جسکا ترجمہ یہ ہے جو شخص تیر اندازی سیکھکر اسکو ترک کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

سے نے فرمایا ہے کہ ”مرض ایک خدائی تازیانہ ہے جس سے خدا اپنے بندوں کی تادیب فرماتا ہے“ پس ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جب اسکو کوئی مرض عارض ہو تو اسکو اپنی زندگی کے معاملات میں اعتدال کی طرف رجوع کرنا چاہئے - اور یہ امر ایسے حاذق طبیب کے مشورہ کے بغیر ناممکن ہے جو طبی قواعد اور قوانین صحت میں پوری مہارت رکھتا ہو - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اے خدا کے بندو امراض کی دوا کیا کرو کیونکہ خدا نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا نہ پیدا کی ہو“ طبی قوانین میں مہارت کی قید ہم نے اسوجہ سے بڑھائی ہے کہ اسلام ہمکو مکاروں اور دجالوں کے دام فریب میں پھنسنے سے ہوشیار کرتا اور انکو سخت جوابدہی سے ڈراتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”من[1] تطبب ولم یعلم منہ طب فھو ضامن“

پھر اگر حاذق طبیب کسی مرض کے علاج سے عاجز ہو جائیں اور معالجہ میں حتی الوسع کوشش کے بعد انسان کو کامیابی نہو تو اس صورت میں اسلام تکلیف پر صبر کرنیوالوں کے واسطے بہترین اجر آخرة کا وعدہ کرتا ہے - علاوہ ازیں ہمارا سچا مذہب جسمانی کمزوری کو منجملہ ان امور کے شمار کرتا ہے جن کی وجہ سے انسان درجات کے حاصل کرنے میں پیچھے رہ جاتا ہے - کیونکہ وہ اکثر اوقات کاروبار زندگی میں افراط اور مذہبی فرائض میں سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہوتا ہے - اسیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے“

اسلام کسی مسلمان کے لئے کسی غرض سے حتی کہ عبادت کی غرض سے بھی یہ بات جائز قرار نہیں دیتا کہ وہ اپنی صحت کے معاملہ میں غفلت اور سستی کرے - عبداللہ بن عمرو بن العاص

[1] یہ حدیث صحیح ہے - اسکو ابوداؤد ، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عمرو سے روایت کیا ہے -
ترجمہ - جو شخص باوجود علم طب سے ناواقف ہونیکے علاج کرتا ہے وہ ذمہ دار ہے -

سے نے بیان کیا ہے کہ " مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بر سبیل تہدید) فرمایا کہ[1] اے عبداللہ کیا مجھکو خبر نہیں دی گئی کہ تو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا اور تمام رات بیدار رہتا ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ - آپ نے فرمایا کہ ایسا مت کر - روزہ بھی رکھ اور افطار بھی کر رات کو عبادت بھی کر اور نیند بھی لے - کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھپر حق ہے (کہ تو اُسکو زیادہ تکلیف میں مبتلا نہ کرے تاکہ بیمار اور ہلاک نہو جاوے) اور تیری آنکھوں کا بھی تجھپر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھپر حق ہے اور تیرے مہمانوں اور ملاقات کرنیوالوں کا بھی تجھپر حق ہے - جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اُسنے روزہ ہی نہیں رکھا - ہر مہینہ تین روزے رکھ اور ہر مہینہ میں قرآن ختم کر - میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں - آپ نے فرمایا کہ تجھکو صوم داود کے مطابق روزہ رکھنا چاہئے جو افضل الصوم ہے ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا - اور ہر سات راتوں قرآن ختم کر اور اس سے زیادہ مت پڑھ "

اس میں شک نہیں کہ یہ تمام قواعد ایک مسلمان کو حفظان صحت کا نہایت سخت پابند بنانے کے لئے کافی ہیں - اور یہی وہ غرض ہے جسکے لئے اس زمانہ کے فلاسفر کوشش کر رہے ہیں اور عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات نقش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ صفائی اور پاکیزگی اور حفظان صحت کا نہایت اہتمام رکھیں تاکہ امراض میں کمی ہو اور متعدی بیماریوں کے مصائب میں تخفیف ہو -

[1] یہ حدیث بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں مروی ہے ہم نے بخاری اور مسلم کے الفاظ کے مطابق ترجمہ کیا ہے - ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور نسائی میں بہ تغیر بعض الفاظ مروی ہے - مترجم

جسمانی امور میں اعتدال

ہر شخص جانتا ہے کہ اُسکے پیچھے بہت سی جسمانی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں اور وہ سب کی سب بشرط اعتدال زندگی کے لیے لازمی ہیں۔ مثلاً غذا جو زندگی قائم رکھنے کے لئے شرط اول ہے اگر بافراط استعمال کیجائے یا اگر اس میں اصول حفظان صحت کا لحاظ نہ رکھا جاوے مثلاً متنافی الفعل غذائیں ایک ساتھ استعمال کیجائیں تو ایسی صورت میں وہی غذا موجب ہلاکت ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے تمام دنیا کے اطبا اور ڈاکٹر انکا اس بات پر اجماع ہے کہ انسان کی صحت قائم رکھنے کا جو ذریعہ سب سے بڑا ہے وہ جسمانی خواہشات میں اعتدال ہے۔ یہی اصولی قاعدہ مذہب اسلام نے قائم کیا ہے۔ اس نے لطیف اور پاکیزہ چیزوں میں سے کوئی چیز ہمارے لئے حرام نہیں کی۔ بلکہ اُسنے تمام صحت بخش چیزوں کا کھانا اور پینا مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ ہم حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ خدا نے فرمایا ہے۔

"قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق"، "کلوا واشربوا ولا تسرفوا"

"اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت کے سامان اور کھانے کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں انکو کس نے حرام کیا ہے" "کھاؤ اور پیو فضول خرچی مت کرو۔"

اسلام میں زہد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ لذیذ اور نفیس چیزوں اور شیریں اور خوش ذائقہ پھلوں سے اجتناب کیا جائے اور نفس کو اُسکی تمام خواہشات سے محروم نہ رکھا جاوے۔ ایسا زہد جو تمدنی زندگی کے منافی اور تہذیب کی عمارت کو منہدم کرنیوالا ہے اسلامی اصول سے

بالکل خارج ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔
«یا ایھا الذین آمنوا
لا تحرموا طیبات ما احل
اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ
لا یحب المعتدین۔ و
کلوا مما رزقکم اللہ حلالا
طیبا واتقوا اللہ الذی انتم بہ
مومنون»

«مسلمانو! خدا نے جو ستھری چیزیں تمہارے
لئے حلال کر دی ہیں۔ اُن کو اپنے اوپر حرام
مت کرو اور حد سے بھی مت بڑھو۔ کیونکہ اللہ حد
سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور خدا
نے جو تمکو حلال اور ستھری روزی دی ہے اُسکو
بے تامل کھاؤ اور جس خدا پر تمہارا ایمان ہے
اُس سے ڈرتے رہو»

بحث کے اس سلسلہ میں ہم صرف اسقدر اور کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا سچا مذہب دنیا کی نفیس اور صحت بخش کھانے کی چیزوں سے منع نہیں کرتا اسی طرح وہ ہمکو خوبصورت اور خوش آیندہ لباس کے استعمال سے بھی نہیں روکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ «اگر کوئی شخص مقدرت رکھتا ہو تو اُسکے لئے کچھ ممانعت نہیں ہے کہ وہ دو کپڑے خاصکر جمعہ کے واسطے بنالے، علاوہ اپنے معمولی کاروباری کپڑے کے» مذہب اسلام نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہ ہمکو زیب و زینت کی ترغیب دیتا ہے اجبکہ وہ کسی گناہ اور نافرمانی کے لئے نہو، بلکہ اوس سے محض خالق کی رضا جوئی اور اُسکے گراں بہا فضل و انعام کا اظہار و اعلان مقصود ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ «جس کسی[1] کے بال ہوں تو اُسکو اُنکی عزت کرنی چاہئے» یعنی کنگھا کرنا اور انکو آراستہ کرنا چاہئے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ «خدا ہر ایک اچھی خوشبو والے اور اچھے لباس والے بندے کو پسند کرتا ہے» ایک شخص جو شکستہ حالت میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] یہ حدیث صحیح ہے اسکو ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ تیری دولت کسقدر ہے اُسنے کہا کہ ہر قسم کی دولت خدا نے مجھکو عطا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "جب خدا کسی بندہ کو نعمت عطا فرماتا ہے تو تو وہ اس بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے"۔

خاندانی فرائض

مہذب اور متمدن قوموں میں خاندانوں اور خانوادوں کو ایک نہایت مہتم بالشان چیز خیال کیا جاتا ہے کیونکہ قوم سے اُنکو وہی نسبت حاصل ہوتی ہے جو افراد کو چھوٹے چھوٹے خاندانوں سے ہوتی ہے۔ کیونکہ افراد کی اصلاح کے لئے خاندانوں کی اصلاح لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوموں کے فلاسفر خصوصاً اس صدی میں اپنی تمام تر ہمت خاندانوں کی اصلاح اور افراد کو ان قواعد کی تعلیم دینے میں صرف کرتے ہیں جو علمی طریقہ پر خاندانی نظامات کی درستی اور اصلاح میں معاون ہیں۔ خاندانی سعادت و فلاح کا جو پوشیدہ راز ہے وہ دو اصولی باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان کی ادبی اصلاح اور دوسری مادی اصلاح۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں باتیں خاندان کے سرپرست پر موقوف ہیں اور انکا ادا کرنا بھی شریعت کے نزدیک مثل بڑے بڑے فرائض کے لازمی ہے۔ غرضکہ اسطرح خاندان کے سرپرست کے ذمہ دو فرض عائد ہوتے ہیں جنکا ادا کرنا لازمی اور لابدی ہوتا ہے۔

پہلا فرض

خاندان کی ادبی اصلاح

ہر شخص کو خاندان کی ادبی اصلاح کا فرض ادا کرنے میں دو اصولی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ اپنی عورت کو تمام خاندانی معاملات میں اپنا شریک سمجھے اور اُس کی واجبی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھے۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو خاندان کے ان بچوں کا مربی اور سرپرست خیال کرے جو عنقریب مثل اُسکے خاندان کے سرپرست اور اُس قوم کے ممبر ہونے والے ہیں جس پر ان کی اچھی یا بری تربیت کا اثر پڑیگا۔ اور اِس امر کا یقین رکھے کہ قوم میں کبھی ایسے افراد پیدا ہونگے جو کہ اُسکو ذلت اور ادبار کے تحت الثریٰ میں گرا دینگے اور یہ دونوں باتیں صرف بچپن کی تربیت پر منحصر ہیں اور نیز یہ کہ خاندان کا سرپرست اُن تمام جرائم کا جواب دہ ہے جو اُسکے خاندان کے افراد سے بوجہ سوء تربیت کے سرزد ہوتے ہیں۔ یہی اصول ہیں جو جدید تمدن کی شریعت نے نافذ کئے ہیں اور جن پر خاندانی تربیت کے تمام مسائل کا دار و مدار ہے۔

اسلام نے تمام دنیا سے پہلے ان اصول کو قائم کیا ہے۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عورتوں کی واجبی تعظیم و تکریم کی ترغیب میں فرمایا ہے کہ "جو شخص صاحب عزت ہیں وہ عورتوں کی عزت کرتے ہیں اور جو پاجی ہیں اُنکی توہین کرتے ہیں"[1]

[1] اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ "ما اکرم النساء الا کریم ولا اھانھن الا لئیم"

اور فرمایا ہے کہ "عورتوں[1] کو انکی مرضی پر چھوڑ دو"۔ قرآن مجید کی یہ آیت "وقل[2] رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا"، اسبات کی روشن دلیل ہے کہ بچوں کی تہذیب و تربیت میں عورت کو بہت کچھ دخل ہے۔

دوسرے اصول کو اسلام کے ساتھ منطبق کرنے کے لئے صرف ایک جامع حدیث کافی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم[3] میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر ایک راعی سے اسکی رعیت کی بابت سوال کیا جاویگا"۔ اس نص صریح سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے تمام افراد کی ذمہ داری صرف باپ کی طرف عائد کی گئی ہے اور ان کو اچھی خصلتوں اور شریفانہ عادتوں کے مطابق تربیت کرنا اسکے ذمہ فرض کیا گیا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کریگا تو اس مجرمانہ غفلت کی نسبت کی اسکو جوابدہی کرنی پڑیگی اور اس سے کہا جائیگا "یا راعی[4] السوء اکلت اللحم و شربت اللبن ولم تؤو الضالة ولم تجبر الکسیر الیوم انتقم منك" (حدیث قدسی)

---

[1] ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مترجم)

[2] -ترجمہ- کہہ اے خدا تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے بچپن کی حالت میں مجھکو پرورش کیا ہے۔

[3] اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مولانا خلیل احمد حفظہ اللہ)

[4] ترجمہ اے نالائق چرواہے تو نے گوشت کھایا اور دودھ پی لیا- نہ بھٹکے ہوئے کو پناہ دی اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑا- آج میں تجھسے انتقام لونگا۔

دوسرا فرض

خاندان کی مادی اصلاح

جو باتیں ہمنے خاندان کی ادبی اصلاح کی نسبت بیان کی ہیں اُن کا عمل میں لانا بالکل مادی اصلاح پر منحصر ہے - کیونکہ سب سے اول جس ضرورت کا انسان کو احساس ہوتا ہے وہ جسمانی حفاظت کی ضرورت ہے مگر جو شخص اس اشد ضرورت کے متعلق کافی سامان مہیا نہیں کرسکتا اُسکے دل میں ادبی امور کے لئے کوشش کرنیکی تحریک ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی جس خاندان کی یہ حالت ہو کہ نہ اُسکے افراد کو کافی اور مناسب غذا میسر آسکتی ہو جس سے ان کی زندگی قائم رہ سکے اور نہ ایسا مکان مہیا ہو جس میں وہ اپنے تئیں بارشوں اور آندھیوں اور ادلوں سے محفوظ رکھہ سکیں اور نہ ایسا لباس میسر ہو جس سے وہ گرمی سردی کی تکالیف سے محفوظ رہ سکتے ہوں ، تو آپ خیال کرسکتے ہیں کہ اس بدنصیب خاندان کی کیا نوبت ہوگی؟ ظاہر ہے کہ یہ خاندان وحشت اور جہالت کے پست ترین درجہ میں پہونچ جائیگا - اور ضرورت کی وجہ سے اُسکے افراد سے دناات اور کمینہ پن اور نالائق اور رذیل حرکتیں سرزد ہونگی - علاوہ ازیں اگر خاندان کو کافی غذا اور ضروری لباس و مکان بھی میسر ہو تاہم یہ باتیں اُس خاندان کے حق میں کچھہ مفید نہیں ہوسکتیں ، تاوقتیکہ اُسکے سرپرست کے پاس اسقدر کافی روپیہ موجود نہو کہ وہ اپنے بچونکو اسکولوں اور کالجوں میں بھیج سکے اور اُنکے لئے معلم اور مربی مہیا کرسکے - ان تمام گذشتہ بیانات سے بالضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خاندان کو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو نہایت فیاضی کے ساتھہ اُسکے افراد پر اپنا روپیہ صرف کرے -

اگر اُسکے پاس روپیہ نہ ہوگا تو بعض اوقات یہ امر اُسکے لئے نہایت بدحالی اور بدبختی کا باعث ہوگا۔

بلاشک وشبہہ یہی اصول اسلامی شریعت نے قائم کئے ہیں رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے "جس شخص[1] کو خدا نے وسعت دی اور اس نے اپنے عیال پر تنگی کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے" اور نیز فرمایا ہے کہ "مرد[2] جسقدر کہ اپنے بیوی بچوں اور خادموں پر صرف کرتا ہے وہ اُسکے لئے صدقہ اور باعث ثواب و اجر ہے" خاندان پر صرف کرنے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ترغیب ہوسکتی ہے۔

مذہب اسلام نے جو عظیم الشان مرتبہ خاندان کو عطا کیا ہے اور اسپر صرف کرنیکی تاثیرات کو جس حد تک تسلیم کیا ہے اُس کی کسیقدر توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ "ایک[3] دینار تو نے خدا کی راہ دیا اور ایک دینار کسی غلام کے آزاد کرانے میں صرف کیا اور ایک دینار کسی مسکین کو صدقہ دیا اور ایک دینار تو نے اپنے خاندان پر خرچ کیا ان میں سب سے زیادہ موجب اجر و ثواب وہی دینار ہے جو تو نے اپنے خاندان پر صرف کیا ہے"

---

[1] اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے۔ گو اس کی سند ضعیف ہے مگر یہی مضمون اور صحیح حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے (مترجم)

[2] اس حدیث کو طبرانی نے کامل میں ابی امامہ سے روایت کیا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

[3] اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں اور مسلم ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے ثوبان سے روایت کیا ہے صرف الفاظ میں خفیف اختلاف ہے علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ (مترجم)

بیشک اسلام ہمکو نہ ایسے تقشف کا حکم دیتا ہے کہ ہم نفس کو تمام چیزوں سے محروم کریں اور نہ معیشت کو وہ اسقدر پست درجہ میں رکھنا چاہتا ہے جس کے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی تہذیب ناممکن ہو اور کسی نہ کسی دن نفس کو مذہبی قیود کے بالکل توڑ دینے پر آمادہ کرے جیسا کہ اکثر قوموں میں ہو چکا ہے ۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام معیشت کی اصلاح میں کوشش کرنیکا ہمکو حکم دیتا ہے اور اسکو مذہب کا حصہ قرار دیتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر شخص[1] کے لئے اپنی معیشت کی اصلاح کرنا ایک دانشمندانہ کام ہے جن امور سے تمہاری اصلاح ہوتی ہے انکی جستجو کرنا حب دنیا نہیں ہے ۔"

مگر کوئی شخص اپنی معیشت کی اصلاح اور درستی کس طرح کر سکتا ہے تا وقتیکہ وہ کسی کام اور پیشہ میں مصروف نہو جس سے اسکو کافی آمدنی ہوتی ہو اسلئے ہمکو لازم ہے کہ ہم صاف طور پر بیان کریں کہ اسلام کی نظر میں مال اور کام اور پیشہ کی کسقدر عزت اور وقعت ہے تاکہ ان لوگوں کی حجت باطل ہو جو تمام مذاہب کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ انسان کو محنت اور پیشہ کی طرف سے نفرت دلاتے ہیں ۔

[1] اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابی الدرداء سے روایت کیا ہے اسکی سند ضعیف ہے ۔

مقام الجد والعمل فی نظر الاسلام

مختلف انسانی گروہین جو اسوقت کرۂ زمین پر زندگی کی کارزار میں مصروف ہیں انکی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ تسلط اور عروج حاصل کرنیمیں وہی قوم سب سے زیادہ کامیاب ہوگی جو ایسے افراد سے مرکب ہے جنکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے الفت اور سستی اور کاہلی سے نفرت ہے۔ اسلئے محنت اور کوشش کو منجملہ ان اہم قواعد کے شمار کرنا چاہیئے جو نوع انسان کے افراد کو مہذب اور شائستہ بنانیوالے اور انکی زندگی اور استقلال کو محفوظ و برقرار رکھنے والے ہیں۔ بیشک اس زمانہ کے علماے تمدن ایسا ہی خیال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مذاہب پر طعن کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مذاہب انسان کو سستی اور کاہلی پر آمادہ کرتے اور انہکو ذلت اور خواری کے غار میں گراتے ہیں۔

ہمکو اس کتاب میں یہ بات ثابت کرنا نہایت ضروری ہے کہ مذہب اسلام اس شرمناک الزام سے بالکل بری ہے اور اُسکے قواعد محنت اور کوشش اور کام کرنے کی سخت ترغیب دینے والے اور سستی اور کاہلی سے نفرت دلانے والے ہیں۔

بیشک اسلام جسقدر ہمکو دنیوی زندگی کے لئے کام کرنیکی ترغیب دیتا ہے اُسی قدر اخروی زندگی کے لئے کام کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا[1] کے لئے تم اسقدر کام کرو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہوگے اور آخرت کے لئے اسطرح

[1] بیہقی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ اسکی سند ضعیف ہے۔

کام کرو گویا کہ تم کل ہی مرجاؤ گے"، اور نیز فرمایا ہے کہ "تم اپنی دنیا کی اصلاح کرو اور آخرت کے لئے اسطرح کام کرو گویا کہ تم کل ہی مرجاؤ گے"، ان دونوں حدیثوں سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ دنیوی خوشحالی خدا کی ناراضگی کا باعث ہے اور وہ دنیا ومافیہا سے دست بردار ہو کر صرف عبادت اور ریاضت میں مصروف ہوگئے ہیں۔ انکو یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا ایک میدان جنگ ہے جس میں ہر لحظہ و ہر آن کارزار کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ جو شخص کھڑا ہے وہ بیٹھے ہوئے پر غالب آجاتا ہے اور اسکو غلام بنا کر زندگی کے تمام فوائد سے محروم کردیتا ہے۔ پھر ایسے لوگوں پر انسانی طبعیت حجت قائم کرتی ہے ان کی عبادت فسق اور انکا زہد جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو گذشتہ قوموں کی تاریخ سے ہمکو معلوم ہوتی ہے جنہوں نے اپنی مذہبی نصوص کی غلط فہمی سے دنیوی چیزوں اور دنیوی ضرورتوں سے اعراض کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں طبعی حادثات چاروں طرف سے ان کو محیط ہوگئے اور آخر کار ان کی بدحالی کی نوبت عبرت انگیز درجہ تک پہنچ گئی۔

مگر مذہب اسلام نے جو انسانی ترقی کے آخری دَوْر کا مذہب ہے اپنے اصول میں ایسی عبادتیں مقرر نہیں کیں جن سے قدیم زمانہ کی سرکش اور نافرمان قوموں کے نفوس کا معالجہ مقصود تھا۔ بلکہ اسلام نے قرار دیا ہے کہ جو کام زندگی کے قوانین کے مناسب اور نوع انسان کو ترقی دینے والی اور نفسانی رغبتوں کو حیوانیت کی سطح سے اونچا کرنیوالی اصول کے مطابق ہو وہ بلا شک وشبہ خدا کی خالص عبادت ہے بشرطیکہ وہ محض للّہیت اور صرف خدا کی خوشنودی کی غرض سے انجام دیا جاوے۔ نہ کہ اپنی شیطانی خواہشات کے پورا کرنیکی غرض سے۔

چونکہ شخصی، خاندانی، قومی اور نوعی ضروریات کے لئے دولت کا کسب کرنا منجملہ ان امور کے ہے جو نوع انسان کو اس رفیع الشان مرتبہ تک پہونچنے میں مدد دیتے ہیں جو خدا نے اُسکے لئے مقرر کیا ہے اسلئے اسلام نے کسب دولت کو انسان کے لئے افضل ترین عبادت قرار دیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تمام اعمال میں[1] افضل کسب حلال ہے" اور نیز فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنے عیال کیلئے جائز وسائل سے مال حاصل کرے اُسکا مرتبہ مثل اُس شخص کے ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کریگا اور جو شخص جائز طور پر پاکدامنی کے ساتھ دنیا طلب کرتا ہے اس کا درجہ مثل شہید کے ہے"۔

یہ خیال نکرنا چاہئے کہ اسلام صرف محنت اور کوشش کرنے اور دولت حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور بس۔ بلکہ وہ ان امور کو ایک لازمی فرض قرار دیتا ہے اور ترک کرنے والوں سے مواخذہ کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حلال مال کا طلب کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔"

مذہب اسلام دولت کو قومی زندگی اور قومی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کرتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری امت پر ایک ایسا زمانہ عنقریب آنیوالا ہے جس میں لوگونکو اپنے دینی اور دنیوی امور کی درستی کے لئے درہم اور دینار کی ضرورت ہوگی" آنحضرت کے اصحاب میں ایسے دولتمند موجود تھے جنکا عطیہ ایک فوجی حملہ کی تیاری کے لئے کافی ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ظہور میں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی تعریف میں فرمایا ہے "نعم المال الصالح للرجل الصالح"

---

[1] اس صفحہ پر جسقدر حدیثیں مندرج ہیں ان میں بعض حدیثیں مجہول اور بعض ضعیف ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ کسب حلال کی تاکید بہت سی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتی ہے۔ (مترجم)

کیا اسکے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام دولت و ثروت کے منافی ہے خصوصاً ایسے زمانہ میں جس کی نسبت آپ نے ہمکو خبر دی ہے۔ بیشک اس زمانہ میں ہم پر واجب ہے کہ ہم مذہب اسلام کے ان احکام کو ظاہر کریں جو اسنے محنت اور کوشش اور کسب دولت کے باب ہمکو دیئے ہیں تاکہ مسلمانوں کو سستی اور کاہلی کی قید سے نجات حاصل ہو اور وہ تمام بدگمانیاں رفع ہوں جو بعض تعلیم اور تہذیب کے مدعی رکھتے ہیں۔ کیونکہ عام مسلمانوں نہیں مذہب کی طرف سے صرف ایسی ہی ہدایتیں پہونچتی ہیں جو انکو محنت اور کوشش اور کام کرنے سے نفرت دلاتی اور کسب دولت سے دور کرتی ہیں یہ ایک ایسی ہدایت ہے جس میں حکمت نبوی کی رعایت نہیں کی گئی ہے کہ قلوب کے معالجہ کے لئے موافق اور مناسب ترین دوا تجویز ہونا چاہیئے۔

جس قسم کی ہدایتیں آجکل کے علما کر رہے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکا سواں حصہ بھی دولت سے کراہت کرنیکا لوگونکو حکم دیتے تو غالباً صحابہ کرام میں ایک شخص بھی ایسا نہ ملتا جو ایک حبہ کا مالک ہوتا۔ کیونکہ وہ آپ کے احکام کی نہایت سختی کے ساتھ اطاعت کرتے تھے۔ حالانکہ معاملہ اسکے بالکل برخلاف ہے کسب دولت کی ترغیب دینے والے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار حدیثیں اس زمانہ کی تمدنی کتابوں کی نسبت زیادہ تر ترغیب دیتی ہیں۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "ولا تنس نصیبك من الدنیا [1]" اور فرمایا ہے کہ "فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ [2]" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

---

[1] اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اُسکو فراموش نہ کر۔

[2] پس تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل یعنی معاش کی جستجو میں لگ جاؤ۔

"دنیا ایک اچھی سواری ہے تم اسپر سوار ہو جاؤ وہ تمکو آخرت میں پہونچادیگی" اور نیز فرمایا ہے کہ "تم میں بہتر وہ ہے جو نہ آخرت کی وجہ سے دنیا کو چھوڑے اور نہ دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اُسکو بھی لے اور اسکو بھی" اور نیز فرمایا ہے کہ "حلال کا طلب کرنا بمنزلہ جہاد کے ہے"

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ایک چست وچالاک اور قوی نوجوان کو دیکھا جو سخت محنت کر رہا تھا انہوں نے کہا افسوس ہے کاش اس شخص کی جوانی اور چستی خدا کی راہ میں صرف ہوتی۔ آپنے فرمایا کہ "ایسا مت کہو کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کے لئے اس غرض سے محنت کر رہا ہے تاکہ وہ لوگوں سے مستغنی ہو جاوے اور سوال کرنے کی اُسکو حاجت نہو تو وہ خدا کی راہ میں محنت کر رہا ہے اور اگر وہ اپنے ضعیف ماں باپ یا چھوٹے بچوں کے لئے محنت کرتا ہے تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہے اور اگر وہ فخر و مباہات کی غرض سے محنت کرتا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے" اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب دولت کی برائی بھلائی کاسب کی نیت کے تابع ہے اگر غرض محمود ہے تو بیشک کاسب ماجور ہوگا اور اگر شیطانی خیالات اسکا باعث ہیں تو اس صورت میں کسب دولت موجب وبال ہوگا اگرچہ وہ جائز وسائل سے کسب کرتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص فخر و مباہات کی غرض سے حلال طور پر مال حاصل کرتا ہے خدا سے وہ ایسی حالت میں ملیگا کہ خدا

اُسپر غصے ہوگا اور اگر سوال سے بچنے اور اپنی آبرو کی حفاظت کی غرض سے مال حاصل کرتا ہی تو قیامت کے دن اسکا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے چمکتا ہوگا"۔

یہ حدیث اس بحث میں قول فیصل ہے - اب ہمکو صرف ان کاہلوں کی نسبت گفتگو کرنا باقی رہگیا ہے جو اس قول سے استشہاد کرتے ہیں کہ رزق مقسوم ہے اور محنت اور کوشش سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا - بیشک ہم سب سے زیادہ اسکا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن جو کچھ خدا کے علم میں ہے ہم اسکے دریافت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے ہمکو کیا معلوم ہے کہ ہماری کوشش رائیگاں جائیگی - ہمکو ہرگز مناسب نہیں کہ ہم اپنی نافہمی سے ایسے خیالات خام کو پختہ کریں جو محنت اور کوشش اور اسلام کے سیدھے رستے سے باز رکھنے والے ہیں -

اسلام نے قرار دیا ہے کہ خدا اپنے بندوں میں بلحاظ اُن کی ہمت اور کوشش کے رزق تقسیم کرتا ہے پس جس کی کوشش اور محنت زیادہ ہوگی اُسکو رزق کا زیادہ حصہ ملیگا اور جس کی کم ہوگی اُسکو کم - اور یہی قاعدہ ہے جو لوگونکو زندگی کے میدان میں مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے - کیونکہ انکو یقین ہوتا ہے کہ ان کی محنت کا ثمرہ ضرور انکو ملیگا - رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے "خدا اپنے بندونکو بقدر اُن کی ہمت اور نیت کے عطا فرماتا ہے"

مذہب اسلام صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ ہر ایک معاملہ میں ہمت اور پیش قدمی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے اور کاہلی اور گمنامی محرومی اور فقر و فاقہ کا باعث ہے - رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دلیر تاجر کو رزق ملتا اور نامرد تاجر محروم رہتا ہے"

اسلام اپنے پیرووںکو بلند آواز سے پکار کر کہتا ہے کہ زندگی کے لئے بالکل غیر متغیر اصول فطرت ہیں جو شخص انکا مقابلہ کرتا ہے وہ خدا کے ارادہ کا مقابلہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے کاروبار میں انکے مطابق چلتا ہے وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے کسب اور رزق انہیں مقررہ اصول فطرت کے تابع ہیں جو شخص انکے خلاف چلتا ہے وہ محروم رہتا ہے اور جو انکی پیروی کرتا ہے وہ رزق حاصل کرتا ہے۔ کسب کا اہم اصول یہ ہے کہ صبح سویرے اٹھکر اپنے کاروبار میں نہایت کوشش کے ساتھ مصروف ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص کوشش کرتا ہے وہ اپنا مقصود حاصل کرتا ہے اور ہر ایک کوشش کرنیوالے کو اُسکا حصہ ملتا ہے" عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جو ایک ایسے شخص ہیں جن کی اقتدا مسلمانوںپر واجب ہے فرمایا ہے کہ "کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ تلاش رزق سے بیٹھ جائے اور دعا کیا کرے کہ اے خدا مجھکو رزق دے کیونکہ تمکو معلوم ہے کہ آسمان سے چاندی اور سونا نہیں برستا" باوجود ان باتوںکے ہم محنت اور کوشش کے مسئلہ میں ہر ایک معارضہ اور مجادلہ کرنے والے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ساکت کر سکتے ہیں آپنے فرمایا ہے کہ "کوشش کرو کیونکہ کوشش تم پر فرض کی گئی ہے۔"

علاوہ ازیں اسلام اپنے پیرؤںکو ترغیب دیتا ہے کہ اگر انکو ایک مقام پر کسب دولت میں دشواری ہو تو وہ ایسے مقام میں ہجرت کر جائیں جہاں وسائل معیشت آسانی کے ساتھ مہیا ہوسکیں اور اُس فقر و فاقہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جس کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "فقر قریب ہے کہ کفر کے درجہ کو پہونچ جاوے" اور دوسروںپر ہرگز بار نہوں۔ بیشک اسلام اپنے پیرووںکو حصول رزق میں کوشش کرنے کی ترغیب دیتا ہے

اگرچہ ان کو دور دراز ممالک میں سفر کرنا پڑے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سفر کرو صحت اور رزق حاصل کرو"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار کا انہیں صاف صاف طریقوں پر عمل تھا امام احمد فرماتے ہیں کہ "صحابہ کرام بری اور بحری تجارتیں کرتے اور اپنے باغوں میں کام کیا کرتے تھے۔ جو شخص صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تاریخ کو بنظر غور مطالعہ کریگا اُسکو ہمت اور جفاکشی اور اولوالعزمی کے ایسے نمونے نظر آئینگے جنپر درحقیقت نوع انسان کو فخر کرنیکا حق حاصل ہے۔ اُسکو معلوم ہوگا کہ ایک چھوٹی سی جماعت جو پہاڑوں اور گھاٹیوں کے درمیان گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی اور فقر و فاقہ میں کوئی قوم اس کی برابری نہیں کرسکتی تھی پستی اور گمنامی کا غبار اپنے کپڑوں سے جھاڑتی ہوئی اٹھی اور جو آیتیں اور حدیثیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں انپر عمل کرنا شروع کیا اور انکو ہر وقت نصب العین رکھا اور اسکا نتیجہ ہوا کہ ۸۰ برس کی مدت میں حکومت اور تسلط اور اقتدار کے لحاظ سے وہ اسقدر عظیم الشان درجہ کو پہونچگئی جو رومیوں کی سلطنت کو آٹھ سو برس میں نصیب نہیں ہوا۔ اُسنے دنیا کو ایسے طریقہ کے ساتھ مسخر کیا جو کسی طرح جبری نہیں کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر رومیوں کے جبر و تعدی کے ساتھ اُسکا مقابلہ کیا جاوے تو وہ بالکل اختیاری اور رضا و رغبت کا طریقہ تھا۔ اسلام کی اول صدی کی تاریخ کو مطالعہ کرنا چاہیے اُس میں ہمتوں اور اولوالعزمیوں کے ایسے عجائبات نظر آئینگے جن کی توصیف سے ہمارا بیان قاصر ہے اور جسکے مقابلہ میں اس زمانہ کی شائستہ اور مہذب قوموں کی ہمتیں اور اولوالعزمیاں گرد ہیں۔

پس جبکہ گذشتہ زمانہ کی حالت یہ تھی تو اب اسلامی ہمت اور اولوالعزمی کیا ہوئی اور اوسکی بجائے ذلت اور عاجزی ہمپر کیونکر مسلط ہوگئی حتی کہ ہم ان شریفانہ خصلتوں اور پاکیزہ

عادتوں سے بھی محروم ہو گئے جو ہمارے اسلاف کی عورتوں میں شائع تھیں -
اسلامی امت نے صرف موجودہ ذلت اور عاجزی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسنے اپنے بعض عالموں اور پیشواؤں کی زبان سے اس ذلیل حالت کو نفس اسلام کی طرف منسوب کیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے آخرت اور دوسروں کے لئے دنیا ہے - یہ بالکل غلط ہے بلکہ اسلام کے لئے دنیا و آخرت دونوں ہیں -

” وقيل للذين اتقوا ماذا	” پرہیزگار ہیں انکے قرآن کے بارہ پوچھا
انزل ربكم قالوا خيرا	جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل تو
للذين احسنوا في	جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا جن لوگوں
هذه الدنيا حسنة ولدار	نے بھلائی کی انکے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی
الآخرة خير ولنعم دار المتقين“	ہے اور انکا آخری ٹھکانا تو اس سے بھی کہیں بہتر ہے
” ربنا آتنا في الدنيا حسنة	اور پرہیزگاروں کا آخرت کا گھر کیسا عمدہ ہے“ ” اے
وفي الآخرة حسنة وقنا	ہمارے پروردگار ہمکو دنیا میں بھی خیر و برکت
عذاب النار“	اور آخرت میں بھی خیر و برکت “

جو کچھ مسلمان کر چکے ہیں انکو اس سے زیادہ اپنے دین پر ظلم نہیں کرنا چاہئے اور انکو اسلام پر عقل و فکر کے ساتھ غور کرنا چاہئے تاکہ انپر ثابت ہو جاوے کہ وہ صرف اپنی خواہشات اور اپنے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں - اور باطل خیالات اسلام کے ساتھ شامل کر کے اہل یوروپ کو اس کی نسبت التفات کرنے سے نہیں روکنا چاہئے ہیں مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ نہایت قریب آئندہ زمانہ میں وہ وقت آنے والا ہے جبکہ اسلام یوروپ میں ایسی رونق اور شان کے ساتھ ظاہر ہوگا جو زمانہ نبوت کے مشابہ ہوگی

"سنریہم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق"
"انہ کان وعدہ مفعولا"

عنقریب ہم ان لوگونکو اپنی قدرت کی نشانیاں دنیا کے اطراف میں بھی دکھائینگے اور انکے اپنے وجود میں بھی یہانتک کہ انپر ظاہر ہوجائیگا کہ یہ قرآن برحق ہے
"یہ خدا کا وعدہ ہے جو ہو کر رہیگا"

تمدنی فرائض

کوئی شخص ہر ایک زمانہ میں عموماً اور اس شائستگی اور تمدن کے زمانہ میں خصوصاً ان حالتوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ (اول) یہ کہ وہ کسی قوم کا ممبر اور اُسکے قوانین کا محکوم ہوگا اور اُس قوم کے دیگر ممبرونکے ساتھ زبان اور اعتقادات اور طبعی خصوصیتوں میں شریک ہوگا۔ (دوم) کسی ایسی قوم کے ساتھ جو عادات اور اعتقادات میں اُسکے منافی ہیں وطنیت و محکومیت کا تعلق رکھتا ہوگا (سوم) جس قوم کا وہ ممبر ہے وہ دیگر قومونکے ساتھ جو تمام یا اکثر حیثیتوں میں اُس قوم سے مختلف ہیں اپنی مصلحتونکے باعث سے مصالحت اور مسالمت رکھتی ہوگی۔ (چہارم) اُنکے ساتھ بوجہ اختلاف مسائل زندگی کے عداوت رکھتی ہوگی۔ پہلی تین حالتوں سے کوئی عظیم الشان زندہ قوم خالی نہیں ہوسکتی۔ بعض اوقات یا اکثر اوقات چوتھی حالت بھی اُنپر طاری ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم اکثر مہذب اور شائستہ قومونکو دیکھتے ہیں کہ وہ ملک گیری کی ضرورتوں

اور ذاتی مصلحتوں کے باعث سے جنگ وجدل کا سلسلہ برابر جاری رکھنے کے لئے مجبور ہوتے اگرچہ وہ چھوٹے چھوٹے قبائل ہی کے ساتھ ہو۔

یہ تقسیم جو ہمنے اوپر بیان کی ہے اُسپر سرسری نظر کرنے سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ طبعی تقسیم ہے جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ عام مہذب اور غیر مہذب موجودہ اور گذشتہ قوموں کی زبان حال ہے اس تقسیم کے بعد ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک انصاف پسند شریعت کا فرض ہے کہ وہ ان چاروں قسموں کے لئے جدا جدا احکام نافذ کرے جن کی پابندی رعایا پر واجب ہو۔ اور یہ احکام حقیقی عدالت اور دنیا کے قوانین فطرت کے بالکل مطابقت اور موافقت رکھتے ہوں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسکا نفاذ اور جسکی تکمیل حقیقی عدالت کے اصول کے مطابق اسوقت تک سوائے مذہب اسلام کے دنیا کی کوئی شریعت نہیں کرسکے۔ اسکی تفصیل معہ دلائل حسب ذیل ہے۔

اسلام دنیا کو انہیں چاروں قسموں پر منقسم کرتا ہے جنکی توضیح ہم اوپر کرچکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک قسم کے لئے خاص خاص احکام نافذ کرتا ہے جن کی پابندی اور نگہداشت مسلمانوں پر فرض ہے۔ نوع انسان کے افراد کی تقسیم اسلام کی نظر میں حسب ذیل ہے (اول) مسلمان (دوم) ذمی یعنی وہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ جو اسلام کی حمایت میں ہوں اور اسلامی قوانین کے محکوم ہوں (سوم) حکومت اسلام کے ساتھ معاہدہ یا صلح رکھنے والے (چہارم) حکومت اسلام کے ساتھ جنگ وحرب رکھنے والے۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ ان فرائض کی نسبت گفتگو کرتے ہیں جو ان چاروں میں ہر ایک کی نسبت مسلمانوں کے ذمہ عائد کئے گئے ہیں۔

(۱) مسلمانوں کے فرائض ایک دوسرے کے ساتھ

ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو اسی نظر سے دیکھے جیسا کہ حقیقی اخوت اخوت اور محبت کا اقتضا ہے اور تمام طبعی اور سیاسی حقوق میں مساوات کا برتاؤ کرے۔ بیشک ہر ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی قوم کے تمام افراد کو اختلاف جنسیت اور اختلاف رنگ اور اختلاف عادات سے قطع نظر کر کے اپنا بھائی سمجھے اور ان میں سوائے شخصی فضائل اور کسبی خوبیوں کے کوئی چیز مابہ الامتیاز نہونی چاہیے۔ اس مابہ الامتیاز کا فیصلہ بھی صرف خدا کے سپرد ہونا چاہیے اور عادلانہ قانون کے مقابلہ میں اس امتیاز کی کوئی خصوصیت نہونی چاہیے۔

مسلمانوں میں باہمی محبت ایمان کی شرائط میں سب سے پہلی شرط ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہو اور تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو" یہ محبت جو باہم مسلمانوں میں ہو بالکل پاک اور سچی اور حقیقی ہونی چاہیے جو ریا کی کدورتوں سے صاف ہو ورنہ وہ محبت نفاق خیال کیجاوے گی۔ اور اس منافقانہ محبت کا بھانڈا اگر آج نہ پھوٹا تو کل ضرور پھوٹے گا۔ اسلئے نہایت ضروری اور لابدی ہے کہ اس محبت کو پاک صاف اور خالص بنانے میں ایسی ہی کوشش کیجائے جیسے ایمان کو کفریات سے محفوظ رکھنے کے لئے کیجاتی ہے۔ اور یہ مقصد اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان تعلقات میں کافی غور نہ کیجائے جو اسکو اپنے اہل قوم کے ساتھ ہیں اور ان فوائد اور نتائج کا حقیقی علم

حاصل ہو جو افراد قوم کے ساتھ خالص محبت رکھنے اور اُن سے الگ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں ان امور میں غور و فکر کرنیوالا اگر زندگی کی حقیقت اور اُس کی تکالیف سے واقف ہے تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا کہ اُس کی زندگی قوم کی زندگی پر منحصر اور قوم کی موت سے اُس کی موت لازمی ہے۔ اور جب اُسکو یہ یقین حاصل ہو جائیگا تو بلا شک و شبہ اپنی قوم کے افراد کے ساتھ خالص محبت کرنے کے لئے مجبور ہوگا جیسا کہ مہلک سیلاب سے بھاگ کر کسی مستحکم اور بند قلعہ میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔

یہ پاک اور خالص محبت جس کی طرف اسلام دعوت کرتا ہے ہر قسم کی قومی سعادت و فلاح کا اصل اصول اور حقیقی شائستگی کا سرچشمہ ہے۔ مہذب اور متمدن قوموں کے حالات کو دیکھو اور اُنکے اجزاء و افراد میں غور و تامل کرو تمکو معلوم ہوگا کہ جس قوم کے اجزا میں باہمی اتصال اور جسکے افراد میں باہمی ارتباط زیادہ تر ہوگا وہی قوم سعادت و فلاح کے میدان میں سب سے زیادہ پیش قدم ہوگی ایسی قوم اگر گرتی ہے تو جلد اُٹھتی اور جب غافل ہوتی ہے تو جلد تر ہوشیار ہو جاتی ہے۔ اگر وہ کسیوقت ایسے حال میں دیکھی جاتی ہے کہ اُسکے بیرونی معاملات میں سخت پیچیدگیاں واقع ہو رہی ہیں اور اُس کی زندگی کے وسائل معرض زوال میں ہیں اور ان وجوہ سے اُس قوم کی تباہی اور بربادی کا گمان غالب بلکہ قریباً یقین ہوتا ہے تو اسکے بعد وہ اپنی پیچیدگیوں کو سلجھا کر چاروں طرف اپنے حریفوں کو للکارتی ہوئی نظر آتی ہے اور بغیر ہتیار وہ نکے اُنکو منتشر اور پراگندہ کردیتی ہے یہ اُس اتصال اور ارتباط کے اسرار میں سے ہے جو باہمی محبت کا نتیجہ ہی ہے اور جس ارتباط نے ہمارے اسلاف کو ترقی اور کامیابی کی بلندی پر پہونچایا تھا اُسکا ایک تھوڑا سا حصہ اس زمانہ کی قوموں میں پایا جاتا ہے جسنے اُنکو موجودہ ترقی کے درجہ پر پہونچا دیا ہے جو آجتک کسی کو

حاصل نہیں ہوئی۔ باہمی عداوت اور نفاق کے بعد یہ ارتباط انکو مذہب اسلام کی آسمانی احکام پر عمل کرنے کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ باہمی محبت کی ضرورت میں جسقدر نصوص اسلام میں وارد ہوے ہیں اگر ہم انکو نقل کرنا چاہیں تو ہمکو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی لہذا ہم صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں جو ان لوگونکے ضعف اسلام پر دلالت کرتی ہے جو اسلام کے مدعی ہیں اور اپنے مسلمان بھائیونکے فائدے کو قطع نظر کرکے صرف اپنے ذاتی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص نے ایسی حالت میں صبح کی کہ وہ مسلمانوں کی فکر سے خالی ہے تو وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے"

اس مقام پر ہم بعض تاریخی واقعات بھی درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں جنسے معلوم ہوگا کہ صدر اسلام کے گروہ میں کسقدر سخت محبت اور اخوت موجود تھی تاکہ اس زمانے کے مسلمانوں کو عبرت ہو اور ان کو معلوم ہو کہ اسوقت کے مسلمانونکے درمیان ایسی برادرانہ محبت تھی جو اسوقت دو حقیقی بھائیونکے درمیان بھی نہیں ہوسکتی۔ حذیفہ عدوی کہتے ہیں کہ "یرموک کے دن میں اپنے ساتھ تھوڑا پانی لیکر اپنے ایک چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا اس خیال سے اگر اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوگی تو یہ پانی اسکو پلاؤنگا اور اسکے چہرہ پر چھڑکونگا۔ اچانک وہ مجھکو ملگیا میں نے کہا کہ پانی پیو گے۔ اشارہ کیا کہ ہاں۔ اسیوقت قریب سے آواز آئی آہ پانی ہوتا مجھکو اشارہ کیا کہ ادھر جاؤ اور اسکو پلاؤ۔ میں اسکے پاس پہونچا وہ آواز ہشام ابن العاص کی تھی میں نے کہا کہ پانی پیو گے۔ اشارہ کیا کہ ہاں۔ ناگاہ آواز آئی کہ آہ پانی ہوتا۔ ہشام نے اشارہ کیا کہ اسکو پلاؤں میں وہاں پہونچا تو وہ ختم ہوچکا تھا میں وہاں سے فوراً ہشام اور اپنے چچازاد بھائی کیطرف واپس آیا دیکھا

کہ وہ بھی انتقال کر چکے ہیں۔" ان پاک روحوں کو دیکھو جو ایسے کٹھن وقت میں بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے خیال سے غافل نہوتی تھیں جبکہ ماں اپنے جگر کے ٹکڑے کا خیال نہیں کر سکتی۔ ان نفوس قدسیہ کی حالت پر غور کرو جو جان کنی ہولناک ساعت تک بھی نہایت دلیری کے ساتھ ایثار پر ثابت قدم رہتے تھے "ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" اسکے بعد ان اوصاف پر غور کرو جو اس محبت کے لئے لازمی ہیں اور جن پر انسان فخر کرتا اور جن کی بدولت وہ حیوان سے رافع و اعلی ہونیکا دعوے کرتا ہے کیا اس عجیب و غریب ارتباط کے بعد بھی جو ہمارے اسلاف میں موجود تھا ہم ان کی عظیم الشان فتوحات کی سرعت اور وسعت پر تعجب کر سکتے ہیں جو باوجود بے سر و سامانی اور تعداد کی قلت کے انکو حاصل ہوئیں؟ یہ سچی محبت قوم کے تمام افراد غریبوں اور امیروں، دولتمندوں اور فقیروں کے درمیان موجود تھی۔ حکام کی حکومت اور رئیسوں کی ریاست انکو محبت کے فرائض ادا کرنے سے باز نہیں رکھتی تھی۔

اسلامی قوم کے رگ و ریشہ میں اسی حقیقی محبت کے جاری اور ساری ہونے سے آزادی اور مساوات اور عدالت کی بنیاد مستحکم ہوئی جسکا ایک خفیف حصہ بھی بغیر اسلام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسکے متعلق ہم کسی اور وقت تفصیل کے ساتھ گفتگو کرینگے۔

علاوہ ازیں اسلام نے ہر ایک مسلمان کے ذمہ قوم کی حمایت اور امت کی بہبودی میں کوشش کرنیکا فرض عائد کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ سب سے افضل عبادت جو خدا کو محبوب ہے وہ عام مسلمانوں کی فلاح و بہبودی میں کوشش کرنا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اسلام کے بعض مقامات تم میں سے کسی کا صبر کرنا تنہائی میں چالیس برس تک خدا کی عبادت کرنے سے بہتر ہے" اور نیز فرمایا ہے۔

"مسلمانوں کے درمیان صلح کردینا عام نمازوں اور روزوں سے بہتر ہے" اور نیز فرمایا ہے
"ایک دن کا انصاف ساٹھہ برس کی عبادت سے افضل ہے" "جسنے اپنے کسی
مسلمان بھائی کی حاجت براری کی گویا کہ اُسنے تمام عمر خدا کی عبادت کی" "جسنے کسی اپنے
مسلمان بھائی کی کاربراری میں رات میں یا دن میں کوشش کی خواہ وہ کام پورا ہوا ہو یا
نہوا ہو ہر حالت میں یہ کوشش دو مہینہ کے اعتکاف سے افضل ہے" "جو شخص کسی علم کی
بابت سوال کیا گیا اور اُسنے چھپایا تو خدا قیامت کے دن اُسکو آگ کی لگام دیگا۔"

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان احادیث شریف میں غور کریگا جنکو ہم اوپر بیان کرچکے
ہیں تو اُسکو معلوم ہوگا کہ مذہبوں کے نازل کرنے سے خدا کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ
لوگ جسمانی عبادت اور ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں بلکہ خدا کا
مقصود انسانی گروہ کو مہذب اور شائستہ بنانا اور انکو تمدن اوج کمال پر ترقی دینا مقصود
ہے تم نے غور کیا ہوگا کہ مذہب اسلام کہتا ہے کہ ایک کلمۂ آمیز کلمہ دو مہینہ کے اعتکاف
سے افضل ہے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا تمام نمازوں اور روزوں سے بہتر
ہے۔"

اے خدا تو مسلمانوں کو اپنے مذہب میں غور کرنے کی توفیق عطا فرما اور ان کو
اپنے ذہنوں سے اوہام اور خرافات کے دور کرنے کی ہمت دے۔ تاکہ وہ اسلام کو
انہیں آنکھوں سے دیکھہ سکیں کہ جن آنکھوں سے اُسکا دیکھنا مناسب ہے۔ جو ہم نے اوپر نقل
کی جو شخص انکو سمجھتا ہے اُسکو محقق طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اسوقت مسلمانوں نے بلحاظ
تنافر اور تحاسد اور تباغض کے جو ان میں پایا جاتا ہے اسلام کو پس پشت ڈال دیا ہے
اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے خدا کی ناراضی کے مستوجب ہو گئے ہیں۔

بیشک ان احادیث سے ہمکو صاف معلوم ہوتا ہے کہ باہمی بغض و عناد اسلام کے بالکل منافی ہے بلکہ ایسا کرنا اسلام سے بالکل نکلجانا ہے کیونکہ خدا نے اس مذہب کو بعض خاص افراد کے لیئے نازل نہیں کیا ہے بلکہ وہ عام گروہ کے لیئے نازل ہوا ہے کیونکہ اسکے اکثر احکام ایسے ہیں جن پر باہمی اتحاد و اتفاق کے بغیر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا ہے "اسلام جماعت کا زیادہ تر محتاج ہے جسقدر جماعت اسلام کی محتاج ہے"

الرق فی الاسلام

ہم اس فصل کو ختم کرنے سے پیشتر ناظرین کو مذہب اسلام کے وہ احکام دکھلانا چاہتے ہیں جو اُسنے غلاموں کی نسبت نافذ کیئے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کی توضیح کرنے سے بہت سے اہم فوائد حاصل ہونگے۔ اور انسانی عدالت اور آسمانی عدالت کے درمیان جو عظیم الشان اور بین فرق ہے وہ ہمکو معلوم ہو جائیگا۔ جو حقوق ایک ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر آپ پڑھ چکے ہیں وہ پوری طرح غلاموں پر منطبق ہیں۔ پس وہ اسلامی شریعت کے مطابق اپنے آقاؤں کے بھائی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنکو خدا نے تمہارا ماتحت کیا ہے۔ پس کسی بڑے سے بڑے شخص کو کسی ادنی مسلمان حبشی غلام پر فخر کرنیکا حق حاصل نہیں ہے۔

ایک خاص روایت جس سے اس موقع پر استشہاد کرنا معلوم ہوتا ہے یہ ہے
کہ ابو ذر غفاریؓ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کسی غلام سے مناقشہ کر رہے
تھے اور اس سے خفا ہوکر کہنے لگے۔ کہ اے کالی عورت کے بیٹے۔ انہوں نے
اس کلمہ کو پورا نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ
"انسان سب برابر ہیں۔ سوائے نیک اعمال کے کسی گوری عورت کے بیٹے کو کالی
عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں ہے" عبدالرحمٰن بن عوف جب اپنے غلاموں
کے ساتھ نکلتے تھے تو چونکہ آقا اور غلاموں کے لباس یکساں ہوتے تھے اور برابر ہو کر
چلتے تھے اسلئے اجنبی شخص پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ آقا ہیں اور یہ غلام ہیں۔ آثار میں
مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مرتبہ اپنے غلام کے ساتھ بازار میں تشریف
لے گئے اور دو کپڑے خریدے جن میں ایک کپڑا دوسرے کی نسبت زیادہ قیمتی تھا۔
قیمتی کپڑا آپ نے غلام کو عطا فرمایا اور کم قیمت اپنے واسطے رکھا۔ غلام نے عرض
کی کہ آپ اسکے زیادہ تر مستحق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ تو ہی اسکا زیادہ مستحق ہے
کیونکہ تو نوجوان ہے۔ اور میں تو بڈھا ہوگیا ہوں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سردار ابو بکر نے ہمارے سردار بلال کو آزاد کیا اب یہ امر
قابل غور ہے کہ صحابہ کرام کے خیالات میں جو زمانہ جاہلیت میں عرب کے مطلق العنان
بادشاہ تھے مساوات کی محبت کس درجہ راسخ ہوگئی تھی کہ حضرت عمر جیسے جلیل القدر شخص
حضرت بلال کو صرف ان کی ذاتی قابلیتوں کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور ان کے
رنگ اور حبشیت کا کوئی خیال نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت عمر مرض الموت میں مبتلا
ہوکر انتقال فرمانے لگے اور آپ نے اپنا کوئی جانشین تجویز کرنا نہ چاہا تو وفات کیوقت

کہتے تھے کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں خلافت کو شوریٰ پر منحصر نہ رکھتا۔

پس اے ناظرین کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسی مثال آپ کی نظر سے گذری ہے اور دنیا کی قوموں نے کسی قوم میں آزادی اور اخوت اور مساوات کی بنیاد اسدرجہ مستحکم ہوئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی عجیب مساوات انیسویں صدی کے خاتمہ تک کسی فلاسفر کے خواب وخیال میں بھی نہیں گذری تھی اور نہ اس زمانہ کا کوئی مقنن خیال کرسکتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ قوم میں جو عدل وانصاف میں ممتاز ہو اس قسم کی مساوات پیدا کرنا ممکن ہے۔ پس اس حالت میں کون شخص مجھکو ملامت کرسکتا ہے اگر میں باآواز بلند یہ کہوں کہ یہ مساوات انتہائی درجہ کی مساوات ہے جس کا انسانی گروہ میں پیدا ہونا ممکن ہے، اور یہ کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جو اس عظیم الشان اصول کی اشاعت اور تعمیم میں قدم بڑھا رہی ہیں وہ اسلامی مساوات سے قریب ہوتی جاتی ہیں۔ اور کون شخص مجھکو جھٹلا سکتا ہے اگر میں یہ کہوں کہ یہ حقیقی مساوات اسوقت تک صرف اسلامی کتابوں کے اوراق میں لکھی گئی ہے۔ اے خدا! تو اپنی رحمت سے مسلمانوں کو اپنے مذہب کی خوبیوں کے سمجھنے کی ہدایت فرمائے اور اسنے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اگر اسلام ایسا ہی مذہب ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے اور وہ غلام وآزاد کے درمیان ایک اعلیٰ درجہ کی مساوات قائم کرتا اور غلاموں کے ساتھ اس قدر رحمت اور شفقت ظاہر کرتا ہے جس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں نہیں مل سکتی حتے کہ اسنے آزاد کو بعوض غلام کے قتل کرنا اور غلام کو بعوض آزاد قتل نہ کرنا قرار دیا ہے تو پھر اسباب کی کیا وجہ ہے کہ اسنے غلامی کا پورا استیصال نہیں کیا

اور بالکل نیست و نابود نہیں کیا؟ کیا غلامی کا ابطال بت پرستی کے ابطال سے زیادہ دشوار تھا؟ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اسلام ایک عام مذہب ہے اور وہ دنیا میں اسلئے آیا ہے کہ اُسکے احکام کی تعمیل اور اُسکی ہدایات اور تعلیمات کی پیروی کیجائے اور یہ صرف اُسیوقت ممکن ہے جبکہ اُسکے اوامر اور نواہی انسانی فطرت کے مطابق ہوں جسپر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ضرور ہے کہ وہ انسانی خواہشوں اور عقلیتوں کے مناسب ہوں جن کی تاثیر انسان پر بالضرور پڑتی ہے اور ان قوانین فطرت پر منطبق ہوں جو نوع انسان پر اسلئے مسلط ہیں کہ اُسکو بتدریج وحشت اور جہالت کی تاریکی سے نکالکر تمدن اور تہذیب کی روشنی میں پہونچائیں۔ ان قوانین فطرت کا وجود علمائے تمدن مثلاً اوجسٹ لکنت اور ہوگل اور ہربرٹ اسپنسر (H. Spencer) وغیرہ کو محسوس ہو گیا ہے کیونکہ اُنہوں نے دیکھا ہے کہ نوع انسان باوجود ان فتنہ و فسادات اور خونریز بغاوتوں اور لڑائیوں کے ایک ایسے سلسلے کے ساتھ ترقی کرتی جا رہی ہے جسکے تمام حلقے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل منتظم اور وابستہ ہیں اور جن میں کسی وجہ سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ ان علمائے تمدن کا قول ہے کہ یہ تمام دشواریاں جو سرسری نظر میں ترقی سے روکنے والی معلوم ہوتی ہیں درحقیقت یہی وہ مؤثرات ہیں جو انسان کو آگے کی طرف بڑھا رہی اور ترقی کی بلندی پر لیجا رہی ہیں۔ پس وہ تمام حکمت کی باتیں جو فلاسفروں کی زبان یا اُنکے قلم سے نکلتی ہیں خواہ وہ سادہ لوح سامعین کو کیسی ہی اونچی اور قیمتی معلوم ہوں مگر تاہم یہ ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ قوم کے ہر ایک طبقہ کے لئے اُنپر عمل کرنا ممکن ہے۔ یہ صرف اُسیوقت ہو سکتا ہے جبکہ اُنکے ساتھ انسان کی تدریجی ترقی کے اصول کا لحاظ کیا جاوے اور حکماء کا ان اصول کی رفتار پر مطلع ہونا

ایک سخت اور بعید الحصول امر ہے۔

جو شخص انسان کی عقلی اور مادی ترقی کے جو بتدریج حاصل ہوئی ہے مختلف دَور پر غور کریگا اُسکو عیانی طور پر معلوم ہوجائیگا کہ قوم ترقی کے کسی خاص دَور میں صرف اسیوقت داخل ہوتی ہے جبکہ اُسکو بحیثیت مجموعی اُس دور کی استعداد حاصل ہوجاتی ہے۔ آزادی اور مساوات کے اصول کی روشنی مغربی افق پر کسی فلاسفر یا حکیم کے وعظ و نصیحت سے نمودار نہیں ہوئی۔ بلکہ قوم میں بحیثیت مجموعی پیشتر اس کی استعداد اور قابلیت موجود ہوگئی تھی اور وہ اپنی موجودہ شکل کے سوا دوسری شکل کے قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ یہ بحث نہایت وسیع ہے اگر اس بحث میں قلم کی باگ ڈھیلی کر دی جاسے تو بیان میں بہت طوالت ہوگی جو اس مقام پر مناسب نہیں ہے۔

انہیں بنیادی قواعد کے مطابق جو بالکل ثابت اور مسلم ہیں مذہب اسلام نے اپنے احکام میں ان اصول فطرت کی رفتار کی جو نوع انسان پر مسلط ہیں ایسے طور پر رعایت کی ہے جو غور کرنیوالوں کے لئے موجب حیرت ہے۔ اس حالت میں کہ ہم ان وضعی قواعد کو دیکھتے ہیں جو کسی گذشتہ زمانہ میں قوموں کے لئے باعث ترقی تھے اسوقت ہرگز موجودہ حالت کے مناسب نہیں ہیں حالانکہ اسلام کے قواعد بدستور اپنی پہلی رونق اور تازگی کو لئے ہوئے ہیں اور باوجودیکہ تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر ان کی شباب کی حالت میں بالکل فرق نہیں آیا۔ وہ ہر قوم کے مناسب اور ہر ایک استعداد اور قابلیت کے مطابق ہیں اور رہینگے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ اسلامی قواعد بذات خود نوع انسان کو ترقی دینے والے اصول ہیں جن کی تلاش میں علمائے تمدن ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک سرگرم ہیں۔

یہ تمہید جو ہم نے اوپر لکھی ہے اس سے ہم اس امر پر استدلال کرنا نہیں چاہتے کہ غلامی اسلام کا ایک ضروری قاعدہ ہے جو اسوقت بھی باقی رہنا چاہئے۔ بلکہ ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ابتدائے زمانہ میں کس وجہ سے غلامی کو باطل نہیں کیا اس مقصد کے لیئے علامۂ لاروس (ایک فرنچ فلاسفر) کے قول سے زیادہ کوئی قوی دلیل نہیں ہو سکتی جو انہوں نے دائرۃ المعارف میں لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ "لڑائی نے نوع انسان کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا یعنی غلامی کا اصول جو لڑائی کا بدترین نتیجہ ہے ایک عظیم الشان فائدہ سے خالی نہیں رہا اس بات سے ناظرین کو تعجب نکرنا چاہئے کیونکہ نوع انسان کی ترقی بعض اوقات ایسے وسائل سے حاصل ہوتی ہے جن کی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ غلامی کی بدولت عورت کو قید کی ذلت سے آزادی حاصل ہوئے۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کے نزدیک بہائم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ لیکن جب گھروں میں غلاموں کا سیلاب آیا تو عورت کی تکلیفات بہت کچھ کم ہو گئیں اور شوہر کی نظر میں ایک حد تک اُسکو عزت حاصل ہو گی۔ کیونکہ خاندان میں ایک اجنبی شخص کے داخل ہونے کے بعد خاندان کے ممبر ایک دوسرے کا احترام کرنے کے لیئے مجبور ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں نے عورت پر بہت اچھا اثر کیا اور اُسکو اس قابل بنا دیا کہ وہ تہذیب کے ایک درجہ پر ترقی کرے اور عورت کی ترقی سے نوع انسان کو ترقی حاصل ہو۔ مگر اسوقت غلامی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ انسان کے ذمہ سے سخت محنت کا بار ہلکا ہو گیا ہو اور ہر ثقیل کے الات نے انسان کو بہت سی مشقتوں سے سبکدوش کر دیا ہے"

پس ہم دعوے کرتے ہیں کہ اگر اسلام تیرہ صدیوں سے پیشتر غلامی کو باطل کر دیتا

تو یہ حکم اصول فطرت کے خلاف ہوتا اور اپنے پیروؤنکو ترقی اور تہذیب سے باز رکھتا۔
مگر اس نے غلامی کو حکمت اور عدالت کے دائرے میں محصور کر کے برقرار رکھا اور آقا
اور غلام دونوں کو ایسی نعمتیں عطا فرمائیں جن میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی
اسلام نے غلامی کو صرف ان مذہبی لڑائیوں میں مباح قرار دیا ہے جو غیر مسلمان وحشی قوموں
سے واقع ہوں حالانکہ اسوقت دوسری قوموں نے غلامی کے ایسے طریقے اختیار کر رکھے
تھے جنسے انسان کو سخت نفرت ہوتی ہے اور جنکو حیوان بھی قبیح سمجھتے ہیں۔ علاوہ
ازیں اسلام نے غلامی کو ایک تنگ دائرہ میں محصور کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ غلامونکو
ایسے حقوق عطا فرمائے ہیں جو زیادہ تر مہذب اور شائستہ ملکوں میں آزاد لوگوں کو
بھی نصیب نہیں تھے۔ اگر وحشی قوموں کو معلوم ہوتا کہ مسلمان اپنے غلاموں کا کسقدر
خیال رکھتے اور کس درجہ ان پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں تو وہ اپنے جگر گوشوں کو بطور
غلامی کے ان کی خدمت میں بامید قبولیت پیش کرتے جیسا کہ شفیق باپ اپنے
بیٹے کو کسی علمی مدرسہ کے مہتمم کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ وہ کسی دن آدمی بنکر نکلے۔ اور
درحقیقت جبکہ مسلمانونکے غلامونکے باپ اور بھائی جنگلوں اور بیابانوں میں مارے
مارے پھر رہے تھے اسوقت یہ لوگ اسلامی سوسائٹی میں نہایت آرام اور عزت کے
ساتھ رہتے تھے اور ملکی اور جنگی صیغوں میں اکثر اشخاص مثلاً بلال اور سالم اور سلمان
بہت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ میں اس آزادی اور مساوات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو مسلمانوں
میں موجود تھی۔ کہ اگر سوڈان کے بادشاہونکو معلوم ہوتا کہ عمر بن الخطاب جنکے نام
سے بڑے بڑے جبار بادشاہونکے تخت لرزتے تھے ایک غلام کو (سیدنا) کہکر
خطاب کرتے ہیں تو وہ اپنی سلطنت سے اتر کر اپنے آپ کو بطور غلام کے اس قوم

کی خدمت میں پیش کرتے جو اپنے غلاموں کو بوجہ انکی ذاتی خوبیوں اور شخصی فضیلتوں کے اپنا سردار بناتی ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام نے غلامی کو بالعموم اور ہمیشہ کے لیئے برقرار رکھا ہے اور کوئی ایسا اشارہ نہیں کیا ہے جس سے ایک عقلمند آدمی سمجھ سکے کہ وہ کسی دن ایک برا طریقہ خیال کیا جائیگا جیسا کہ آجکل ہے؟ بیشک اُس نے اسبات کی طرف صریح اشارہ کیا ہے جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور جس کی کسی طرح پر تاویل نہیں ہو سکتی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بدترین مال آخر زمانہ میں غلام ہونگے"۔[1]

مذہب اسلام کے ان علمی معجزات پر غور کرو اور ان لوگوں کے اقوال کی تکذیب کرو جو اُسکی نسبت ایسی بے بنیاد تہمتیں لگاتے ہیں جو سراسر وہم اور خرافات ہیں۔ مثلاً یہ کہ اسلام غلاموں کو حیوان خیال کرتا ہے اور انکی خرید و فروخت کے لیئے نخاس قائم کرنیکو ایک امر مستحب قرار دیتا ہے اسی قسم کی اور خرافات ہیں جو مجمعوں میں پڑھی گئیں اور بہت سے سامعین کو یاد ہیں لیکن ضرور ہے کہ آخر کار حق غالب اور باطل مغلوب ہوگا۔ " ولتعلمن نبأہ بعد حین "

---

[1] اس حدیث کو ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عمر سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع الصغیر سیوطی)

حقوق الذمیین

جو شخص ابتداے آفرینش سے لیکر آجتک انسانی تاریخ پر غور کریگا اُسکو محقق طور پر ثابت ہوجائیگا کہ انسان کے دل میں اپنے مذہب کی محبت تمام چیزوں کی محبت پر غالب ہے۔ وہ نہایت خوشی اور کشادہ دلی کے ساتھ اپنے جان و مال اور اہل و عیال کو مذہب کی تائید اور حمایت میں قربان کرنا گوارا کرتا ہے۔ اس دینی محبت کو قوموں نے غلط طور پر سمجھا ہے اور اُسکو افراط کے اُس درجہ پر پہونچا دیا ہے جو نہایت ہولناک ہے حتیٰ کہ ہر قسم مظالم اور سخت جرائم کا ارتکاب مذہب کی حمایت اور ملحدوں کی بربادی کے سلسلہ میں انکو آسان ہوگیا۔ اس قسم کی تمام شورشیں صرف اسوجہ سے برپا ہوئیں کہ دیندار لوگ انسانی زندگی کے اصول فطرت اور سوسائٹی کے قوانین سے ناواقف تھے۔ جس سے ایسے ناگوار نتایج پیدا ہوئے جو ان متعصب قوموں کی تاریخ میں یادگار ہیں

مذہب اسلام جو درحقیقت شائستگی کا مذہب اور انسانی سعادت و فلاح کا سرچشمہ ہے اُسنے اپنے پیرووں کے لئے ایک ایسی شاہراہ قائم کردی ہے کہ اگر دنیا کے فلاسفر اپنی پوری قوت کے ساتھ کوشش کریں تاہم وہ اپنی قوموں کے ذہنوں میں ایسے صاف اور سچے اصول قائم نہیں کرسکتے۔ اگرچہ انکو عام خیالات پر کیسا ہی تسلط اور اقتدار حاصل ہو۔ درحقیقت یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو بغیر اُس کے کہ مذہبی محبت میں کچھ کمی آئے مذہبی کینے کے نکالنے میں کسطرح کامیاب ہوا حالانکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس قوم کو اپنے مذہب سے زیادہ تر محبت ہو اسیقدر مذہبی

مخالفونکے ساتھ اُس کی عداوت بڑہی ہوئی ہوتی ہے ؟ بیشک اُسنے ایسے طریقے سے
کامیابی حاصل کی ہے جونہ آجکل کے پیشوایان شائستگی سے سناگیا ہے اور جس کی آواز
علمی دنیا سے صرف اسیوقت سے آنی شروع ہوئی جب سے علماے انسان
اور حکماے نفسانی اسرار اور شائستگی کی تاثیرات سے واقف ہوے ہیں۔ جبکہ
اکثر مذاہب کے پیشوا اپنے پیرو ونکو خطاب کرکے کہہ رہے تھے کہ خدا نے حکم
دیا ہے کہ تمام انسانونکو ایک متحد گروہ ہونا چاہیئے ان سب کا مذہب بہی ایک ہو
انکے اخلاق و عادات بہی یکساں اس خدائی اصول کی تائید میں تمکو حتی المقدور کوشش
کرنا چاہیے کیونکہ نوع انسان میں باہمی اختلاف خدا کو سخت ناپسند ہے اسوقت
خدا نے حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ وحی نازل فرمائی تہی۔

"لو شاء ربك لجعل
الناس امة واحدة
ولا يزالون مختلفين
الا من رحم ربك و
لذلك خلقهم" "ولو شا
ربك لآمن من في الارض
كلهم جميعا افانت تكره
الناس حتى يكونوا
مومنين" "انك لا
تهدي من احببت

"اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگونکو ایک ہی امت کا کردیتا
لیکن لوگ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہینگی مگر جسپر تمہارا
پروردگار فضل کرے اور اسی لئے تو انکو پیدا کیا ہے"
"اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار اگر چاہتا تو
جتنے آدمی روے زمین پر ہیں سب کے سب
ایمان لے آتے تو تم لوگونکو مجبور کرسکتے ہو کہ
سب کے سب ایمان لے آویں" "اور
اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم جسکو
چاہو ہدایت نہیں دیسکتے بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے
ہدایت دیتا ہے"

ولکن الله یهدی من یشاء"

جبکہ اکثر مذاہب کے روساء اپنے پیروؤنکو حکم دے رہے تھے کہ وہ لوگونکو اپنے مذہب میں لانے کے لئے جسطرح ممکن ہو مجبور کریں اگرچہ اس میں فتنہ وفساد برپا ہوں بے گناہ قتل کئے جائیں بچے یتیم ہوں اور بستیاں ویران ہوں اور امن عامہ میں خلل آئے اُسوقت خدا کی طرف سے پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو یہ خطاب ہو رہا تھا

"وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر"

"اور اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ یہ قرآن برحق تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے"

"لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

"دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں ہے گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے"

"ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین"

"اے پیغمبر لوگوں عقل کی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے رستہ کی طرف بلاؤ اور انکے ساتھ بحث بھی کرو تو ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو اور اے پیغمبر جو کوئی خدا کے راستے سے بھٹکا تمہارا پروردگار اُسکے حال سے بخوبی واقف ہے اور نیز وہ اُن لوگوں کے حال سے بھی واقف ہے جو راہ راست پر ہیں"

ان تمام آیات بینات سے مسلمانوں کے دلوں میں وہ عظیم الشان قاعدے

مستحکم ہو گئے جنہوں نے مسلمانوں کے نفوس کو ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور کینوں سے پاک صاف کر دیا - پہلا قاعدہ جو ان کے ذہن میں ان آیات کے مضمون سے راسخ ہوا وہ یہ تھا کہ خدا کا یہ فیصلہ ناطق ہو چکا ہے کہ دنیا کے گروہوں میں مذہب اور اعتقادات اور اخلاق وعادات کے لحاظ سے ہمیشہ اختلاف رہیگا پس جو شخص اس آسمانی فیصلہ کے برخلاف کوشش کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک نافرمان اور اس کی ناراضی کا مستحق ہے - دوسرا قاعدہ جو انہیں آیات سے بطور نتیجہ کے انکو حاصل ہوا، یہ تھا کہ لوگوں کا خدا کے دین سے انکار کرنیکا باعث یہ ہے کہ انکی سمجھ اور ان کی عقل کے درجات مختلف ہیں - اس مذہب کی اشاعت صرف انہیں لوگوں میں ممکن ہے جو خوش قسمتی سے اسکے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں - اور اسیلئے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسلامی حقائق کی اشاعت میں نہایت مناسب طور پر کوشش کریں اور حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ لوگوں کو اسکی طرف دعوت دیں - یہ دونوں قاعدے جنکو مسلمانوں نے اپنی آسمانی کتاب سے سمجھا ہے وہ انکو مجبور کرتے ہیں کہ وہ مذاہب اور اہل مذاہب کے اختلاف کو خدا کی مرضی اور اسکی حکمت کا اقتضا خیال کریں - علماے تمدن نے جو باتیں آجکل ثابت کی ہیں وہ انکے عقیدے کو اور زیادہ راسخ کرتی ہیں مثلاً علماے تمدن کا یہ قول کہ تمدن اور شائستگی کی نشو و نما اور ترقی کے لئے نوع انسان کا اختلاف[1] ایک ضروری امر ہے اور نوع انسان کو سعادت و فلاح کے ان مدارج پر پہونچانے کے لئے جو قدرت نے اس کے واسطے مقرر کئے ہیں اختلاف کا ہونا قطعاً لازمی ہے -

ہمارے ذہنوں میں ان حکیمانہ اصول کے مقرر کرنے کے بعد اسلام ہمکو حکم دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ جو اسکی شریعت سے اعراض کرتے ہیں ویسا ہی معاملہ کریں جیسا

[1] اس مضمون کو ملک الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق نے اس شعر میں نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے - ؎
گلہاے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن + اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے -

خدا اُنکے ساتھ کرتا ہے۔ خدا انکے ساتھ ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہے جسکو وہ برداشت نہ کرسکیں مگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ انکے ساتھ دنیوی زندگی میں مثل دوسروں کے معاملہ کرتا ہے بلکہ بسا اوقات اگر اُن میں مادی سعادت حاصل کرنیکی اہلیت ہوتی ہے تو وہ اکثر اوقات دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔ "من یرد حرث الدنیا نوتہ منھا" بیشک اسلام ہمکو حکم دیتا ہے کہ جو لوگ مذہب میں ہمارے مخالف ہیں انکے مذہبی معتقدات پر ہم پردہ ڈالدیں اور نہایت نرمی اور اخلاق سے ان کے ساتھ برتاؤ کرنیکا ہمکو حکم دیتا ہے۔ خداوند تعالے نے فرمایا ہے "لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" اور انکو تکلیف دینے سے ہمکو منع کرتا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "[1] جو شخص کسی ذمی کو تکلیف دیگا میں اُسکا خصم ہوں اور جسکا میں خصم ہوں قیامت میں اُسپر میں ضرور غالب ہونگا۔ اور نیز فرمایا ہے "[2] جو شخص کسی ذمی کو تہمت لگادیگا قیامت کے دن آگ کے کوڑوں سے اُسکو حد لگائی جاویگی"

علاوہ ازیں ہمارا مذہب ہمکو حکم دیتا ہے کہ ہم قانون کے سامنے اُن کو اور اپنے آپ برابر سمجھیں اور انکی حق تلفی سے ہمکو ڈراتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملسکتی۔ کیا اسوقت دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس میں عدالت و انصاف اس درجہ محکم ہو گئے ہوں کہ اگر اُس قوم کا ممبر کسی اجنبی شخص کو قتل کر ڈالے تو اُس

؎۱ یہ حدیث حسن ہے اسکو خطیب نے تاریخ میں ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔

؎۲ یہ حدیث حسن ہے اسکو طبرانی نے کبیر میں واثلہ سے روایت کیا ہے۔

کے بدلہ میں وہ قتل کیا جاوے۔ اسلامی تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک یہودی نے امیرالمومنین عمر بن الخطاب کی حضور میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے شکایت کی۔ آپنے حضرت علی سے فرمایا کہ اے ابوالحسن اٹھو اور اپنے خصم کے سامنے بیٹھو انہوں نے ایسا ہی کیا مگر اسوقت انکے چہرہ پر کسیقدر کدورت کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب یہ معاملہ فیصل ہوچکا تو حضرت عمر نے انسے پوچھا کہ کیا خصم کے سامنے بیٹھنا تمکو ناگوار ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ مجھکو صرف اسلئے ملال ہوا کہ آپنے اس موقع پر مساوات کی پوری رعایت نہیں کی اور مجھکو کنیت کے ساتھ خطاب کیا (کنیت کیساتھ خطاب کرنیسے تعظیم سمجھی جاتی ہے)۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ نوع انسان کی تاریخ میں قانون کے سامنے اس قسم کی مساوات کی نظیر ملسکتی ہے کہ قوم کے زبردست سردار جسکا نام لینے سے بادشاہوں کے تخت لرزتے ہیں اور غیر مذہب کے ایک ادنیٰ اور بازاری شخص کے ساتھ یکساں طور پر قانونی برتاؤ کیا گیا ہو؟ دنیا کی تمام قوموں کی تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ اس درجہ کی مساوات موجودہ زمانہ سے پیشتر کسی ایک قوم کو مختلف طبقوں میں قائم نہیں ہوئی۔ اس سے ہمکو کامل یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس حقیقی عدالت پر سوائے اسلامی قوم کے اسوقت تک دنیا میں کہیں عمل نہیں کیا گیا۔

گذشتہ زمانہ کی متمدن قوموں میں عدالت اور انصاف کا صرف نام ہی نام تھا۔ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دیجاتی تھیں۔ اپنی قوم کے ساتھ حکام اور رؤسا نرمی اور رعایت کرتے تھے۔ وہ مساوات جسپر اس زمانہ کے علما فخر کرتے ہیں فرانس کی ہولناک بغاوت کا نتیجہ ہے جس میں بیشمار جانیں برباد ہوئیں۔ موسیو۔ لاروس۔ دائرۃ المعارف میں لکھتا ہے کہ "روما میں

سزائیں ایک ہی قسم کے جرائم میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دیجاتی تھیں"۔ اسکے بعد اسنے اس جبر و تعدی کی تفصیل کی ہے۔ اور پھر بغاوت سے پیشتر فرانسیسی قانون پر بحث کی اور اس کو بھی ایسے ہی عیوب ظاہر کئے ہیں۔ اسکے بعد لکھا ہے کہ "۱۷۸۹ء کی بغاوت نے ان تمام امتیازات کو بھی اس تحریک کے حوالہ کیا جسنے ان تمام خطابات کو نیست و نابود کیا جو خاندان اور ورثت کے تابع ہوتے تھے"

مسلمان کیونکر اپنے مذہب پر فخر نہیں کرسکتے جبکہ اُنپر ثابت ہوچکا ہے کہ وہ مساوات جسکو حکماء ہر قسم کی تمدنی سعادت و فلاح کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ سب سے پیشتر اسلامی قوم میں قائم ہوئی۔ اور وہ صرف باہم مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں تھی بلکہ ایک جلیل القدر مسلمان اور دوسری قوم کے ایک ادنی اور ذلیل آدمی کے درمیان بھی وہی مساوات برتی جاتی تھی۔ اے خدا! ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ عدالت کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے اور چودہ صدیوں سے پیشتر نہ کسی کی امکان میں تھی بلکہ یہ خاص تیری ہی عدالت ہے جو ہر چیز کو محیط ہے۔ اے خدا! تو ہمکو اپنے مذہب کے معجزات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مذہب اسلام ہمکو دیگر اہل مذاہب سے نیکی اور آشتی کے ساتھ سلوک کرنیکا حکم دیتا ہے۔ یہ سلوک ہمکو کسی خوف یا لالچ سے نہیں کرنا چاہئے بلکہ نہایت صاف اور سچی نیت سے۔ بلکہ وہ ہمکو انکی غیبت اور بدگوئی سے ویسا ہی منع کرتا ہے جیسا کہ ایک مسلمان کی غیبت سے۔ اسنے وہمی عدالت اور فرضی "قانون کی آڑ میں ذمیوں کی چیزوں پر ٹیکس باندھنا اور تاوان عائد کرنا مباح نہیں قرار دیا ہے جیسا کہ گذشتہ

قومیں اپنے ان محکوموں کے ساتھ کرتی ہیں جو مذہب میں انکے خلاف ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنی پاک سیرتوں کا نمونہ ہمارے واسطے چھوڑا ہے۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہمکو انکی پیروی واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب والوں کی مجلسوں اور دعوتوں میں تشریف لیجاتے تھے، انکے جنازوں کی مشایعت کرتے اور مصائب کے وقت رسم تعزیت ادا کرتے تھے غرضکہ ان تمام تمدنی معاملات میں جو اس گروہ میں ہونے چاہئیں جو ایک قانون کے زیر حکم ہے اور جس کی بہبودی مشترک ہے دیگر اہل مذاہب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اہل کتاب سے دراہم وغیرہ قرض لیتے تھے اور اسکے معاوضہ میں اپنی کوئی چیز رہن کر دیتے تھے۔ اسکی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ آپ کے اصحاب آپ کو قرض دینے سے عاجز تھے کیونکہ بعض صحابی دولتمند اور جاگیردار تھے اور وہ سب آپ کی خوشی کے مقابلہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف امت کو اس امر کی تعلیم دینے کی غرض سے ایسا کرتے تھے کہ اسلام کا مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ اپنے پیرؤں کو دیگر اہل مذاہب سے جو انکے ساتھ رہتے ہیں صرف اسلئے قطع تعلق کرنیکا حکم دے کہ وہ اعتقادات میں انکے خلاف ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان تنہا ایک اجنبی قوم کے ملک میں رہ سکتا ہے اور یہ امر اسکے لئے کچھ مضر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انکے ساتھ اسکو شادی کرنے کی بھی اجازت ہے۔

تہذیب اور شائستگی کی جسقدر کتابیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں کوئی

کتاب ایسی نہیں ہے جسکا فلسفہ نوع انسان کے احترام کی طرف اسقدر ترغیب دینے والا ہو جسقدر کہ اسلام دیتا ہے۔ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کی تواریخ پر غور کرو، تمکو ایک انسان کے دوسرے انسان پر ظلم وستم کرنے کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہونگے جنکو دیکھکر تمکو سخت مایوسی ہوگی کہ انسانی افراد کے درمیان نوع انسان کے احترام کا اصول قائم نہیں ہوسکتا۔ اور تمکو متنبی کے اس قول کی تصدیق کرنا ایک لازمی امر ہوگا

والظلم من شیم النفوس فان تجد
ذا عفۃٍ فلعلۃٍ لا یظلم

بیشک ہمکو تواریخ سے انسانی افراد کے باہمی ظلم وستم کے ایسے دردناک واقعات معلوم ہوتے ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام خونریزیوں اور بے رحمیوں کا باعث صرف مذہبی حمایت ہے۔

ہم ہرگز خیال نہیں کرسکتے کہ کوئی آسمانی مذہب اپنے پیرونکو حکم دیسکتا ہے کہ نہایت قساوت قلبی اور بے رحمی کے ساتھ دیگر اہل مذاہب کا استیصال کردیں۔ مگر اسکو ہم ان کی غلط فہمی یا ذاتی ضرورتوں اور نفسانی خواہشوں کی وجہ سے تحریف وتاویل اور تدلیس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالہ کیئے جاتے یا پھاڑنیوالے حیوانات کے آگے ڈالدیئے جاتے تھے۔ یا انکی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھکر انکو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے۔ تانبا پگھلا کر انپر ڈالتے تھے۔ یا انکو مدہم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور اُن کی شور وفریاد اور آہ وفغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے انکا گوشت کٹ کٹ کر

گرتا جاتا اور چربی پگھلکر بہتی جاتی تھی۔ یہ باتیں لوگ دیکھتے اور سنتے تھے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔

ان لوگوں کے سینوں کو جن میں مذہبی تعصب اور بیرحمی کی آگ بھڑک رہی تھی جو دیگر اہل مذاہب کا استیصال کرنے پر آمادہ کرتی تھی مسلمانوں کے ان وسیع اور کشادہ سینوں کے ساتھ جو ہمت اور حکمت، رحمت اور مروت سے لبریز تھے مقابلہ کرو۔ یہ مسلمانوں ہی کی فراخ دلی تھی جو اس امر کی اجازت دیتے تھے کہ انکی مسجدوں کے میناروں کے سامنے گرجاؤں میں ناقوس بجائے جاویں اور اس سے کسی قسم کی کوئی تحریک پیدا نہو۔ حالانکہ اسوقت دنیا کی سلطنت اور حکومت انکے ہاتھو میں تھی اور کوئی شخص انکا شریک اور مد مقابل موجود نہ تھا۔ بلاشک وشبہہ وہ غیر مذہب والوں کی مذہبی آزادی کو روک سکتے تھے جیسا رومانیوں نے نہایت سختی کے ساتھ کیا تھا۔

اسلامی لشکر فتح اور نصرت کا تاج اپنے سر پر رکھے ہوئے اُن ممالک میں داخل ہوتا تھا جنکے باشندے اعتقاد میں انکے خلاف ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمامتر ہمت صرف اس میں صرف کرتا تھا کہ مفتوح قوم کو اطمینان دلائے کہ ان کی مذہبی ازادی بدستور قائم رہیگی انکے معبدوں کی حفاظت کیجاویگی۔ دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی حمایت اور مدافعت کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جائیگا اور وہ اپنے مذہبی فرائض اور دینی مراسم کے اداکرنے میں بالکل آزاد اور مطلق العنان ہونگے۔ یہ بالکل اسلام کی پاک تعلیمات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی تھی۔

کیا اسکے بعد بھی کوئی مکابرہ کرنیوالا کہہ سکتا ہے کہ مسلمان نوع انسان کا احترام کرنے میں دنیا کی تمام قوموں سے فائق نہیں ہیں یا اسبات سے انکار کرسکتا ہے کہ انکے مذہب

کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اختلاف عقائد کی وجہ سے ظلم اور بے رحمی کو جائز قرار دے۔ اسلام اپنے پیروؤں کے لئے میدان جنگ میں سخت ترین دشمنوں کے ساتھ بھی ظلم و تعدی جائز نہیں رکھتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین"

"اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے یعنی دین کی حمایت میں ان سے لڑو اور زیادتی مت کرو اللہ کسی طرح زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا"

اسلام کسی شخص کو اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کا حکم نہیں دیتا جبکہ وہ دوسرے مذہب کے پیرو ہوں بلکہ نیکی کے ساتھ ان سے سلوک کرنے اور انکے تمام حقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

"ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیك الی المصیر وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا"

"اور ہمنے انسان کو اُسکے ماں باپ کے حق میں تاکید کی (کہ ہر حال میں انکا ادب ملحوظ رکھے) کہ اسکی ماں نے جھٹکے پر جھٹکے اٹھاکر اُسکو پیٹ میں رکھا اور پیٹ میں رکھنے کے کہیں دو برس میں جاکر اُسکا دودھ چھڑتا ہے اسی لحاظ سے ہمنے انسان کو حکم دیا کہ ہمارا بھی شکر گذار رہ اور اپنے والدین کا بھی اور آخر کار ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹکر آنا ہے۔ اور اے مخاطب اگر تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسیکو شریک خدائی بنالے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو اس میں انکا کہا نہ ماننا مگر ہاں دنیا میں سعادت مندانہ ان کی رفاقت کر

واتبع سبيل من اناب الي ثم الي مرجعكم فانبئكم بما كنتم تعملون

"اور ان لوگونکے طریق پر چل جو ہر ایک بات میں ہماری طرف رجوع لاتے ہیں پہر آخر کار تم سب کو ہماری طرف لوٹکر آنا ہے جیسے جیسے عمل تم لوگ کرتے ہو اسوقت اُنکا بُرا بھلا ہم تمکو بتاوینگے"

اسمار بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ[1] انہوں نے کہا کہ میری والدہ رسول خدا صلے اللہ علیہ کے زمانہ میں مجھسے ملنے کی غرض سے آئیں میں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی والدہ سے ملوں؟ آپنے فرمایا کہ ہاں - ابن عتیبہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی -

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين"

"جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور اُنہوں نے تمکو تمہارے گہروں سے نہیں نکالا انکے ساتھہ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تمکو منع کرتا نہیں کیونکہ منصفانہ برتاؤ کرنیوالونکو دوست رکہتا ہے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بطور ہدیہ کے اپنے مشرک بھائی کے پاس بہیجا تہا -

اسلام ایک عام مذہب ہے - خدا نے اُسکو تمام مذاہب کا ختم کرنے والا اسلئے نہیں بنایا کہ خاندان اور ابنائے وطن یا نوع انسان میں تفرقہ اور اختلاف ڈالنا چاہتا ہے ایک مسلمان شخص ایسے خاندان میں رہ سکتا ہے جسکے تمام افراد مذہب اور اعتقاد میں اُسکے مخالف ہوں اور یہ مذہبی اختلاف اُنکے ساتھہ کسی قسم کا

[1] بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۸۸۴ -

بہ اسلوک کرنے پر اُسکو آمادہ نہیں کرتا بلکہ جب تک وہ لوگ محبت اور صدق نیت کے اصول پر ثابت قدم رہیں اُسوقت تک انکے تمام حقوق ادا کرنے اور ان کی حمایت کرنے کی تعلیم دیتا ہے ۔

مذہب اسلام صرف انہیں گروہونکے ساتھ نیکی اور شریفانہ اخلاق کے ساتھ معاملہ کرنیکی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ تمام دنیا کے ساتھ ایسا ہی کرنے پر آمادہ کرتا ہے خواہ وہ کسی مذہب اور کسی فرقہ میں ہوں ۔ اس قسم کے اختلافات سے قطع نظر کرنی چاہیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " وہ شخص ناکامی اور خسارہ میں رہا جسکے دل میں خدا نے انسان کی طرف سے رحم نہیں دیا " اور نیز فرمایا ہے کہ " دو تمام مذاہب کے ماننے والونکو صدقہ دو " انہیں آسمانی احکام پر مسلمانوں نے عمل کیا ہے اور کرتے ہیں اگرچہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے اُنکے ذمہ اتہام لگادیں ۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دوستونکے ساتھ بیٹھے ہوے تھے ایک ذمی شخص بھیک مانگتا ہوا وہاں سے گذرا ۔ آپنے حاضرین سے فرمایا کہ " ہمنے اس شخص کے ساتھ انصاف نہیں کیا ۔ یہ بات اچھی نہیں ہے کہ جوانی کی حالت میں ہم اُس سے جزیہ وصول کریں اور بڑھاپے میں بھیک مانگتا ہوا چھوڑ دیں ۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا " ۔ اور آپ نے مسلمانونکے بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر فرمایا ۔ ان پاک نفوس کے تقدس اور انکی فراخ دلی پر غور کرو ۔ درحقیقت یہ نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ اسلام ان عربونکے دلوں پر جو جاہلیت میں ضرب المثل تھے اسقدر گہرا اثر ڈالنے میں کیونکر کامیاب ہوا اور انکو خوش اخلاقی اور بے تعصبی میں اسقدر اعلیٰ مرتبہ پر پہونچایا جو معجزہ سے کسیطرح کم نہیں ہے اور یہ ایسے زمانہ کی

بات ہے جبکہ اس قسم کی اعلیٰ خصلتیں اور شریفانہ رغبتیں تمام نوع انسان سے بالکل مفقود تہیں۔

دوسرے مذاہب اور معتقدات کے لوگ جو مسلمانوں کے ساتھ رہتے تہے انکے ساتھ جسقدر فیاضانہ سلوک مسلمانوں کی طرف سے کیا جاتا تہا اُس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ غیر مذہب والونکے ساتھ ان کی حسن معاشرت کی وہ کیفیت تہی جو آجکل دو حقیقی بہائیوں میں بہی نہیں ہو سکتی جنہوں نے ایک خاندان میں نشو و نما پائی ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ " میں عبد اللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر تہا اور ان کا ایک غلام ذبح کی ہوئی بکری صاف کر رہا تہا آپ نے غلام سے کہا کہ جب تم اسکو صاف کر چکو تو سب سے پہلے ہمارے ہمسایہ یہودی کو دینا۔ اس قول کو آپ نے کئی بار فرمایا غلام نے عرض کیا کہ آپ کتنی مرتبہ فرمائینگے ۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمسایہ کے ساتھ بہلائی کرنے کی اسقدر وصیت فرمایا کرتے تہے کہ ہمکو اندیشہ ہو گیا تہا کہ آپ اُسکو وارث قرار دینگے " براہ مہربانی آپ اس معاملہ کو مغرب کے مہذب اور شائستہ شہروں کی موجودہ حالت کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ہم ہمیشہ سنتے ہیں کہ مغربی ممالک میں آئے دن خفیہ اور علانیہ کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں جنکا مقصد یہودیونکو ستانا اور ذلیل کرنا ہوتا ہے کیا ان واقعات کے بعد بہی جو ہمنے اس فصل میں بیان کئے ہیں کوئی فتنہ انگیز مسلمانوں پر مذہبی تعصب کی تہمت لگا سکتا ہے ۔ مہذب اور شائستہ ممالک میں ہمیشہ مذہبی تعصب کے ہم ایسے واقعات سنتے ہیں جنسے شرم آتی ہے ۔ کیا آپ نے کبہی سنا ہے کہ کسی اسلامی شہر میں کوئی ایسی کمیٹی قائم ہوئی ہو جسکا اہم مقصد کسی مذہبی فرقہ کی مخالفت ہو۔ ہرگز نہیں ۔

اس فصل کے ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ بات ثابت کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ مذہبی تعصب جس سے اسلام اور مسلمانوں کا پاک صاف ہونا ہمنے ابھی بیان کیا ہے۔ صدیوں سے اسوقت تک تمام یوروپین قوموں کا معمول رہا ہے۔ یہ ایک ایسا مرض تھا جسکے معالجہ سے انکے تمام اطبا عاجز تھے۔ تقریباً ایک صدی سے اس بیماری میں کسیقدر تخفیف شروع ہے۔ اسکے ثبوت میں ہم علامہ جول سیمون (ایک فرانسیسی حکیم) کا قول نقل کرتے ہیں جو اسنے تاریخ الاعتقادات میں کہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ " مذاہب کی کوئی قدیم زمانہ کی یادگار نہیں ہے کیونکہ تمام عالم کی تاریخ درحقیقت مذہبی تعصب کی تاریخ ہے۔ مذہبی تعصب جو آزادی سے بہت زیادہ قدیم ہے وہ تاریخ کے بعید ترین زمانوں تک چلا جاتا ہے " اسکے بعد علامہ مذکور نے مذہبی تعصب کے آثار کو شمار کیا ہے جو قرون مظلمہ سے لیکر قرون متوسطہ تک ظاہر ہوئے۔ اسکے بعد لکھا ہے کہ " اور آخر کار ۴۔ اگست ۱۷۸۹ء کو فلسفی روح مذہبی آزادی کے قائم کرنے میں کامیاب ہوئی اور یہ امید ۱۷۹۱ء میں پوری ہوئی۔ اور یہ وہ تاریخ ہے جسمیں یہودیوں کو مظالم سے آزادی ملی۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے فرانسیسی بغاوت جو حسن انتظام سے خالی تھی مذہبی آزادی کو مستحکم نہ کرسکی "۔

واجبات المسلمین للمعاہدیم

معاہدہ کی حفاظت کرنا مسلمانوں کے نزدیک ضروری فرض ہے جسکا ادا
کرنا ہر ایک مسلمان پر قطعًا لازمی ہے۔ کسی مسلمان کو کسی سبب سے معاہدہ
کا توڑنا جائز نہیں ہے تاوقتیکہ دوسرا فریق اسکے توڑنے میں پیشقدمی نہ کرے۔ معاہدہ
خواہ اہل کتاب کے ساتھ کیا جاوے خواہ مشرکوں کے ساتھ دونوں صورتوں
میں مسلمانوں پر اُس کی پابندی اور حفاظت یکساں لازمی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے
"یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود" اور نیز مومنین کی صفات کے سلسلہ
میں فرمایا ہے "والذین هم لامانا تهم وعهدهم راعون"
جو شخص اسلام کی تاریخ کی ابتدا سے آجتک ورق گردانی کریگا اسکو
محقق طور پر معلوم ہوجائیگا کہ مسلمان ایسے لوگ ہیں جو حفظ عہد اور صدق نیت میں ضرب المثل
ہیں۔ رسول خدا صلعم کی تاریخ میں عالی ہمتی اور صدق نیت کی ایسی مثالیں موجود ہیں
جو اس زمانہ میں قوموں کے پیشیروؤں کے نصب العین رہنے کے قابل ہیں۔ قرآن مجید
کی آیات بینات پر غور کرنے والوں کو معلوم ہوسکتا ہے کہ اُس میں حفظ عہد کے اسقدر
احکام موجود ہیں جن سے قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ اصول عدالت کے مطابق
ہونے میں کوئی شریعت شریعت محمدی کے برابر نہیں ہوسکتی۔ دیکھو اسلام
اپنی قلیل اور کمزور جماعت کو زبردست دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب
دینے کے اثناء میں اپنے پیروؤں کو معاہدین کے معاملہ میں نصیحت کرنے سے

غافل نہیں رہا تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہ پہونچے - خدا نے فرمایا ہے -

"وبشر الذین	" اور دے پیغمبر کافروں کو عذاب دردناک
کفروا بعذاب الیم	کی خوشخبری سنا وہاں مشرکین میں سے
الا الذین عاھدتم	جنکے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا
من المشرکین	تھا پھر اُنہوں نے ایفاے عہد میں تمہارے
ثم لم ینقصوکم شیئا	ساتھ کسیطرح کی کمی نہیں کی اور تمہارے مقابلہ
ولم یظاھروا علیکم	میں کسی کی مدد کی وہ مستثنیٰ ہیں تو اُنکے ساتھ جو عہد
احدا فاتموا الیھم	و پیمان ہو اُسے اُس مدت تک جو اُنکے ساتھ ٹھیری تھی
عھدھم الی مدتھم	پورا کرو کیونکہ اللہ اُنکو جو بدعہدی سے بچتے ہیں
ان اللہ یحب المتقین "	دوست رکھتا ہے "

معاہدہ کرنے والی قوموں کے افراد کے ساتھ جسطرح مسلمان معاملہ کرتے تھے وہ اہل کتاب کے معاملات سے کسی طرح کم نہیں تھا جن کی نسبت ہم گذشتہ فصل میں گفتگو کر چکے ہیں ان کی نسبت ہمارے پیغمبر نے ہمکو وصیت کی ہے اور فرمایا ہے کہ "مجھکو خدا نے حکم دیا ہے کہ میں کسی معاہد اور غیر معاہد پر ظلم نہ کروں" اور نیز فرمایا ہے کہ "[1] جو شخص معاہد کو قتل کریگا اُسکو جنت کی خوشبو نصیب نہ ہوگی" اور فرمایا ہے کہ "جو شخص کسی کو پناہ دے اور کوئی اُسکو قتل کرواے تو میں قاتل سے بری ہوں اگرچہ مقتول کافر ہو" جو شخص متمدن

---

[1] اس حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد اور نسائی نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے - یہ حدیث صحیح ہے - ۱۲ مترجم

اور مہذب قوموں کی تاریخ پر غور کرتا ہے کمزور قوموں کے ساتھ انکا سلوک دیکھکر اسکے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ وہاں سوائے قوت کے کوئی قانون نہیں ہے۔ جو شخص بدقسمتی سے کمزور ہوتا تھا وہ ہمیشہ بڑے آدمیونکی غلامی کی قید میں گرفتار رہتا تھا۔

واجبات المسلمین لمحاربیہم

یہ بات تاریخی اجماع سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تن تنہا اسلام کی طرف دعوت کرنیکو کھڑے ہوے اور ایک قلیل جماعت نے جس میں عورتیں اور بچے اور بڑے ہی شامل تھے اسلام قبول کیا۔ آپکو اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی سخت تکلیفات اور ایذائیں دی گئیں جنکو صرف وہی شخص برداشت کرسکتے ہیں جو ایذا سے ہلاک ہونے کو زیادہ تر آسان خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ حبیب رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ ان کو قید کیا گیا اور آگ کی تکلیف دی گئی اور جب ان کو قتل کرنے لگے تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اور نماز سے فارغ ہوکر کہنے لگے اگر تم خیال نہ کرتے کہ میں قتل ہونے سے ڈرتا ہوں تو میں ان رکعتوں کو زیادہ دراز کرتا۔ اے خدا تو ان سب کو گھیر لے اور انکو قتل کر اور کسیکو باقی مت چھوڑ۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھنے لگے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما ۔۔۔ علی ای جنب کان للہ مصرعی

وذلک فی ذات الالہ وان یشا ۔۔۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ واقعہ جو ہمنے بیان کیا ہے صرف ایک شخص کو پیش آیا تھا اور اسکے سوا اور دوسرے مسلمانوں کو جو واقعات پیش آئے وہ اس سے بھی زیادہ سخت تھے جن کی تفصیل کتب تواریخ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ غرضکہ اس قسم کے سخت مصائب تیرہ سال تک مسلمانوں کی کمزور جماعت پر نازل ہوتے رہے۔ اسکے بعد رسول خدا صلعم نے اول مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور پھر اسکے بعد مدینہ کی طرف۔ وہاں انکو ایک گونہ قوت حاصل ہوگئی۔ مگر تمام عربوں نے ان کی مخالفت پر اتفاق کرلیا اور مسلمان نہایت درجہ خوف وہراس میں مبتلا ہوئے۔ خدا نے انکے اطمینان اور تسکین کی غرض سے یہ آیت نازل فرمائی۔

وعد اللہ الذین	"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی
امنوا منکم وعملوا	کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن)
الصالحات لیستخلفنھم	اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت
فی الارض کما استخلف الذین	کریگا جیسے اُن لوگونکو خلافت عنایت کی تھی جو
من قبلھم ولیمکنن	اُنسے پہلے ہوگذری ہیں اور جس دین کو اُس نے
لھم دینھم الذی	اُنکے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُنکے
ارتضی لھم ولیبدلنھم	لئے جما کر رہیگا۔ اور خوف و (خطر) جو انکو (لاحق) ہے
من بعد خوفھم امنا	اسکے بعد (عنقریب ہے) اسکو (اسکے) بدلی
یعبدوننی لا یشرکون	میں امن دیگا کہ (باطمینان) ہماری عبادت
بی شیئا۔"	کیا کرینگے (اور) کسی چیز کو ہمارا
	شریک نہ گردانینگے"

اور جب عرب کے تمام قبائل مجتمع ہوکر مسلمانوں کو مٹا دینے پر آمادہ ہوگئے تو اسوقت

خدا نے ان کی بھی مدافعت کی اجازت دی اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی اور فتح و نصرت اور کامیابی کا اُنکے ساتھ وعدہ کیا۔ خدا نے فرمایا۔

"اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علے نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ و لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز"۔

"(انکو بھی) اُن کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے ... کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ اُنکے مدد کرنے پر قادر ہے۔ (یہ وہ مظلوم لوگ ہیں) جو بیچارے صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق (ناروا) اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے نہ ہٹواتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جنمیں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈہائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اُسکی مدد کرے گا۔ کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست (اور سب پر) غالب ہے۔"

اور یہ بھی بطور تواتر کے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قلیل جماعت قبائل عرب کی زبردست اور بیشمار لشکروں کا مقابلہ نہایت اطمینان اور کلی یقین کے ساتھ کرتے تھے کہ خدا کا وعدہ بالضرور پورا ہوگا اور وہ یقیناً ہماری مدد کریگا

" وعد اللہ الذین

" تم میں جو لوگ ایمان لائے اور

امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم "	اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُنسے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کریگا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تہی جو اُن سے پہلے گذرے ہیں "
" ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا و اوذوا حتی اتا هم نصرنا۔ ولا مبدل لکلمات الله ولقد جاءک من نبا المرسلین "	" اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جاچکے ہیں تو اُنہوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر اور اُنکے ایذا دینے پر صبر کیا یہانتک کہ ہماری مدد اُنکے پاس آپہونچی اور کوئی (ہیکڑ سے ہیکڑ) بھی خدا کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور پیغمبروں کے حالات تو ہمکو پہونچ بھی چکے ہیں ۔ "
" وکان حقا علینا نصر المومنین "	" اور ایمان والوں کو مدد دینا ہمپر لازم تہا (اور ہمنے دی) "
" کتب الله لاغلبن انا و رسلی ان الله قوی عزیز " ۔	" خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور (کافروں پر) غالب آکر رہینگے بیشک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے "

غرضکہ مسلمانوں کی قلیل اور بے سروسامان جماعت اور قبائل عرب کے درمیان جنگ کا سلسلہ ایک عرصہ دراز تک جاری رہا جس میں خدا نے اپنے بندوں کے صبر و استقلال اور اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان کیا حتی کہ جب انکا دل اور ایمان ہر قسم کے شوائب سے پاک صاف ہوگیا تو خدا نے ان کو زمین خلافت اور

حکومت عطا فرمائی اور انکو غالب اور انکے دشمنوں کو مغلوب کیا۔ اور ان کو اپنے دشمنوں کے استیصال کرنے کی پوری قدرت حاصل ہو گئی۔ لیکن یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ مذہب اسلام سے ایسا ظہور میں آیا ہو جو سلامتی اور امن و امان کا مذہب ہے۔ بلکہ خدا نے انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنیکا حکم دیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے

"لاینھاکم اللہ عن
الذین لم یقاتلوکم
فی الدین ولم یخرجوکم
من دیارھم ان
تبروھم وتقسطوا الیھم
ان اللہ یحب المقسطین"

"جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں
لڑے اور اُنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں
نکالا اُنکے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ
کرنے سے تو خدا تمکو منع کرتا نہیں (کیونکہ) اللہ
منصفانہ برتاؤ کرنیوالوں کو دوست
رکھتا ہے"

جسوقت خدا نے مسلمانوں کو قوت عطا فرمائی اور انکو دشمنوں پر کامیاب کرنیکا ارادہ کیا جنہوں نے ابتدا میں ان پر سخت ظلم و ستم توڑے تھے تو انکو حکم دیا کہ انتقام لینے کی خواہشوں کی پیروی مت کرو تاکہ تم حکمت اور عدالت کی حدود سے خارج نہ ہو جاؤ اور انکو دکھلایا کہ اگر ایسا ہو گا تو یہ تمہاری طرف سے ظلم و تعدی ہو گی۔ خدا نے فرمایا۔

"ولا یجرمنکم شنآن
قوم ان صدوکم عن
المسجد الحرام ان
تعتدوا وتعاونوا علی البر
والتقوی ولا تعاونوا

"اور بعض لوگوں نے جو تمکو حرمت (و عزت) والے
مسجد یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا یہ عداوت
تمکو (اور نیز کسی طرح کی) زیادتی کرنے کے باعث نہو
اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں)
ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو۔

علی الاثم والعدوان	اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے
واتقوا اللہ ان اللہ	کے مددگار نہ ہو اور اللہ (کے غضب) سے
شدید العقاب"	ڈرو (کیونکہ) اللہ کا عذاب (بہت ہی) سخت ہے"

یہ احکام صرف مغلوب اور مقہور لوگوں ہی کے واسطے نہیں ہیں بلکہ اعتدال اور فیاضی اور رحم کے اصول اثنائے جنگ میں بھی واجب ہیں خدا نے فرمایا ہے۔

" وقاتلوا فی سبیل اللہ	" اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کے رستے
الذین یقاتلونکم ولا	(یعنی دین کی حمایت) میں اُنسے لڑو اور زیادتی
تعتدوا ان اللہ لا	نہ کرنا اللہ (کسی طرح) زیادتی کرنیوالونکو
یحب المعتدین" ۔	پسند نہیں کرتا ۔"

اپنے دشمنوں کو برا کہنا اور اُنپر لعنت کرنا یہ بھی مسلمانوں کے نزدیک تعدی میں داخل ہے۔ جب مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ کو قتل کرکے انکا مثلہ کیا اور انکا جگر نکال لیا تو اس حادثہ سے آپ کو نہایت رنج اور صدمہ ہوا اور آپ نے مشرکین کے حق میں بددعا کی اسپر یہ آیت نازل ہوئی " لیس لک من الامر شیء او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظالمون" آپ بددعا سے باز رہے اور فرمایا کہ اگر مجھکو موقع ملا تو میں اُنکے چالیس آدمیوں کا مثلہ کرونگا۔ اسپر یہ آیت نازل ہوئی " فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین" پس آپ نے فرمایا " اصبر و احتسب"۔

اگر اسیران جنگ کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کی مراعات اور مناسب تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے

اور اسکے ساتھ برائی کرنے کی ممانعت کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے " استوصوا بالاساریٰ خیرا "، پس آپ کے صحابہ کرام اس حدیث کی پوری تعمیل کرتے تھے اور اسیران جنگ کی اسقدر مراعات اور مدارات کرتے تھے کہ اپنی روٹی اُنکو دیتے تھے اور آپ صرف کھجوروں پر اکتفا کرتے تھے۔

ہمارے گذشتہ بیانات پر غور کرو۔ تمکو آسمانی عدالت اور روم وغیرہ قوموں کی وضعی عدالت میں زمین وآسمان کا فرق معلوم ہوگا یہ قومیں نوع انسان کو ہلاک و برباد کرنے میں طاعون کا حکم رکھتی تھیں اُنہوں نے قتل وخونریزی اور انسان کو مسخر کرنے اور غلام بنانے کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ موجودہ زمانہ کی لڑائیوں میں عدالت کے جو آثار دیکھے جاتے ہیں وہ اسلامی عدالت سے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اسلامی عدالت وہ انتہائی عدالت ہے جسکا نوع انسان کو حاصل ہونا ممکن ہے۔ یورپ کی جو کمیٹیاں جنگ دنیا سے موقوف کرنے اور صلح وامن قائم کرنے میں کوشش کر رہی ہیں ان کو اپنا کام کرنے دو۔ کیونکہ اسلام ایسے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور جب یہ کمیٹیاں بادشاہوں اور شہنشاہوں کی مدد سے اپنے مقاصد میں کامیاب اور اخلاص اور صدق نیت پر اپنے کام کی بنیاد رکھینگی تو ہر ایک مسلمان ان کی امداد کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائیگا اور خدا کا یہ کلام اُس کی زبان پر ہوگا۔

" وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله انه هو السمیع العلیم "

" اور اے پیغمبر اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اسکی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے "

نظرۂ

علی الاسلام والمسلمین

گذشتہ فصلوں میں ہم کسیقدر توضیح اور تفصیل کے ساتھ وہ تمام تمدنی اصول بیان کر چکے ہیں جن پر دنیا کے تمام مہذب اور شائستہ ملکوں کی ترقی کی بنیاد رکھی گئی ہے اور محسوس دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمام تمدنی اصول منجملہ اسلامی قواعد کے ہیں حتی کہ دیکھنے والونکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُنہیں سے ماخوذ ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہم مدلل طورپر بیان کر چکے ہیں کہ ان اسلامی قواعد کی نسبت تغیر تبدل کا ہرگز احتمال نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اُن اصول فطرت اور قوانین حیات انسانی کے مطابق ہیں جنکا ثبوت حتمی طورپر ہوچکا ہے اور جن سے کسی طرحپر انکار نہیں ہوسکتا۔ اور نیز ہم کہہ چکے کہ دنیا جسقدر ترقی کرتی جاتی ہے اور انسانی عقلیں کمالات کی راہ میں جتنے قدم آگے کو بڑہاتی ہیں اسیقدر ان کو اسلام سے قرب حاصل ہوتا جاتا ہے اور عنقریب ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ دنیا کے عقلا بالاتفاق تسلیم کرینگے کہ مذہب اسلام دنیوی و اخروی سعادت و فلاح کا جامع اور دارین کی راحت کا کفیل ہے۔

بیشک اسلام ایک عام ابد الآباد تک باقی رہنے والا مذہب ہے اور وہ الٰہی قانون ہے جسکو حکماء ہزاروں برس سے تلاش کر رہے ہیں۔ دنیا کے عقلا قدیم زمانے سے ایک ایسے سچے مذہب کی تلاش میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہیں جو انسان کی جسمانی

اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنیوالا ہو اور انکے مطالب میں حکمت اور اعتدال کے ساتھ موافقت پیدا کرنیوالا او جسمانی اور نفسانی خواہشوں اور رغبتوں کو ایک ایسے نقطۂ اعتدال پر قائم کرنیوالا کہ وہ کسی طرح ایک دوسرے پر غالب نہو سکیں۔ اس امر کی تلاش میں اُنہوں نے بہت کچھ اہتمام کیا ہے اور ہر جگہ ڈھونڈا ہے۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اگر ان دونوں کے مطالب میں اعتدال کا لحاظ نہ رکھا جائیگا تو ضرور افراط و تفریط واقع ہوگی اور جب ایسا ہوگا تو زندگی کے کاروبار میں خلل واقع ہونا لازمی ہے اور ایسا شخص اپنے بنی نوع کے لئے ایک آفت اور مصیبت یا مثل بے حس و حرکت عضو کے بیکار ہوگا۔ حسی دلائل اور تاریخی حادثات سے ان لوگوں نے دیکھا کہ جو مذاہب جسمانی اور روحانی مطالب کو اعتدال کی میزان میں وزن نہیں کر سکتے اور نہ جسمانی اور روحانی ضرورتوں کی تحدید کر سکتے ہیں وہ بدقسمتی سے جن قوموں پر مسلط ہوتے ہیں اُنکو دو بڑی قسموں پر منقسم کر دیتے ہیں جن میں سالہا سال تک فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر غالب ہو جاتا ہے۔ اور اُسکو آزادی اور مطلق العنانی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی روک ٹوک کرنے والا اُسکے سامنے باقی نہیں رہتا تو وہ جسمانی اور نفسانی مطالب میں افراط اور تفریط کی طرف جھک پڑتا ہے۔ مگر اس حالت پر زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ انسانی طبیعت اُسکو للکارتی اور واپس لوٹاتی ہے پس دنیا میں اُسکا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے جو شخص قوموں کی تاریخ کی ورق گردانی کریگا ایسے بیشمار واقعات انکو نظر آئینگے اور زیادہ بحث و کاوش کی ضرورت واقع نہو گی۔

ہم ان حکماء کے خیالات کے ساتھ سب سے پہلے اتفاق کرتے ہیں بیشک ایک

ایسے عام مذہب کی تلاش نہایت ضروری ہے جو جسمانی اور نفسانی مطالب میں اعتدال کر ساتھہ موافقت پیدا کرنیوالا اور ایک کی صلاح و فلاح کو دوسرے کی صلاح و فلاح کے ساتھ مربوط کرنیوالا ہو۔ ہم گذشتہ فصلوں میں ثابت کر چکے ہیں کہ جسطرح جسم کو بیشمار امراض عارض ہوتے ہیں اسی طرح نفس پر بھی بیشمار نفسانی بیماریاں طاری ہوتی ہیں اور جسطرح کوئی شخص اپنے جسم کو طبعی عوارض اور مہلک امراض سے بغیر قانون صحت جسمانی کے محفوظ نہیں رکھ سکتا اسیطرح نفسانی قانون صحت کے سوا نفس کے مہلک امراض سے محفوظ نہیں رکھہ سکتا۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں انسان میں ایسے طریقے کے ساتھ رکھی گئی ہیں کہ ایک کے مریض ہونیکا دوسرے پر اثر پڑتا ہے اسلئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ جسمانی اور نفسانی حفظ صحت کے دونوں قوانین باہم موافق اور متناسب ہوں تاکہ ایک قانون پر عمل کرنیسے دوسرے قانون کی رو سے مضرت نہ پہونچے۔ یہ بات خصوصاً اس زمانہ میں ایک ایسی ہی بات ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہیں ہوسکتا کیونکہ دنیا کی حالت اس کی صحت اور صداقت پر شاہد ہے۔ اور یہی بات علماے یورپ کو ایک طبعی مذہب کے ایجاد کرنے میں محرک ہوئی ہے جس کی بنیاد علمی بدیہات اور فلسفی مسائل پر ہو۔ ہم اس جدید مذہب کے بعض اہم اصول اس مقام پر درج کرنا چاہتے ہیں جو ہمنے کتاب (اخلاقی مباحث) تالیف علامہ کارو ( ) سے اخذ کئے ہیں۔ اسنے لکھا ہے کہ طبعی مذہب کے قواعد یہ ہیں۔ ایک ایسے خدا کے وجود کا اعتقاد رکھنا جو مختار ہے اور جسنے کائنات کو پیدا کیا ہے اور انکا خیال رکھتا ہے اور جو تمام مخلوقات اور نوع انسان سے بالکل ممتاز ہے۔ اور انسان کے جسم میں ایک ایسی روح کا اعتقاد رکھنا جو آزادی اور ذکاوت کے ساتھہ متصف ہے اور اس مادی جسم میں کچھہ عرصے کے لئے بغرض آزمائش محبوس ہے۔

اس روح کیلئے اُرادۃً ممکن ہے کہ اس مادی جسم کو پاک صاف کر کے آسمان پر اڑا لیجائے یا اُسے پستی میں مادہ کے ساتھ مانوس ہو کر اُسکو پستی میں گرا دے - اور تعقل کے احساس سے برتر ہونیکا اعتقاد رکھنا اور اخلاقی ازادی جو تمام دوسری آزادیونکی اصل اصول ہے اعتدال کے تحت میں رکھنا - اور اخلاق حمیدہ کو انکے حقیقی نام سے یاد کرنا جو امتحان وابتلا ہے اور ان کی حقیقی غرض کی تحدید کرنا اور وہ یہ ہے کہ نفس کو جسمانی علائق سے بتدریج خلاصی دیجائے - اور زہد و پرہیزگاری کے ساتھ موت کے لیئے تیار ہونا اور آخر میں ترقی کے قانون کا اقرار کرنا -

اس میں شک نہیں کہ جو شخص مذہب اسلام کے ان نصوص پر غور کریگا جنکو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور اس جدید مذہب کے اصول کو انکے ساتھ مقابلہ کریگا اُسکو محقق طور پر معلوم ہو جائیگا کہ اسلام ہی وہ چیز ہے جسکو علماء اور حکماء اپنی علمی بحثوں میں نہایت قدیم زمانہ سے اسوقت تک تلاش کر رہے ہیں - اور اُسکو نہایت جرأت اور استعجاب دامنگیر ہوگا کہ نوع انسان ان تمدنی فسادات اور شورشوں کے درمیان جسقدر بتدریج ترقی کی طرف بڑھتی جاتی ہے اسیقدر اسلامی قواعد کے قریب ہوتی جاتی ہے حالانکہ اُسکے افراد کو اُس کا مطلق علم نہیں ہے - اور اُسکو یقین واثق ہوگا کہ اسلام ہی وہ انتہائی غائت ہے جو خالق نے نوع انسان کے لیئے قرار دی ہے اور اُس میں اُس غایت تک پہونچنے کی استعداد اور قابلیت ودیعت کی ہے جسکے آثار انسان کی تاریخ میں صاف صاف نظر آتے ہیں اور یہ خداوند تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے " سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتے یتبین لھم انہ الحق "

اس مقام پر غور و فکر کرنیوالونکو وہ راز معلوم ہو سکتا ہے جس سے عربی قوم نے بہت حیرت انگیز فوری ترقی کر کے خیر الامم کا معزز خطاب حاصل کیا حالانکہ وہ وحشت اور جہالت

میں ضرب المثل تھی۔

اب ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان تمدنی امراض کی نسبت بحث کرتے ہیں جنہوں نے چند صدیوں سے مسلمانوں کی تو تو ںکو مضمحل کر رکھا ہے تاکہ ہمکو معلوم ہو جاوے کہ وہ کونسے امراض ہیں اور کیونکر اُنکا علاج ہو سکتا ہے۔ بیشک اس اہم مسئلہ کی نسبت ہم سے پیشتر بہت سے قابل لوگ بحث کر چکے لیکن ہم نہایت افسوس سے لکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر اشخاص نے نفس مرض سے چشم پوشی کی ہے اور اپنی تمامتر کوششیں صرف اعراض کے معالجہ میں صرف کی ہیں۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مرض اندرونی طور پر اپنا کام کرتا رہیگا اور اپنی طبعی رفتار سے قوم کے جسم میں سرایت کرتا چلا جائیگا۔ اور بیرونی اعراض کا علاج محض بے سود ثابت ہوگا ہم اس مسلک پر چلنا نہیں چاہتے جس سے اسوقت تک کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ ہم اعراض سے قطع نظر کرکے نفس مرض کو تشخیص کرنا چاہتے ہیں اور جب مرض کی تشخیص ٹھیک ٹھیک ہوگئی تو دوا کا تجویز کرنا نہایت آسان ہو جائیگا۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے تمدن کی بنیاد جزیرہ عرب میں قائم ہوئی اور بہت تھوڑے عرصہ میں اُس کی شاخیں اکثر مشرقی ممالک میں پھیل گئیں۔ اسکا ابتدائی سبب سوائے مذہب اسلام کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ تواریخ اور علوم تمدن کا استقرار کرکے ہر شخص اس امر پر استدلال کرسکتا ہے کہ مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا کے تمدنوں کی نسبت زیادہ سریع السیر اور زیادہ شاندار اور عجیب اور قوی اور اپنے پیرووں کے ذہن پر سخت اثر ڈالنے والا اور ہر قسم کی تمدنی صلاح و فلاح کا جامع تھا۔

مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ تمام باتیں مجسم بنکر آنکھوں کے سامنے

پھر جاتی ہیں۔ لیکن اگر اسوقت اسلامی قوموں کی موجودہ حالت پر ایک سطحی نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت تمام مدارج میں اپنے اسلاف سے بالکل برعکس ہے۔ تنزل اور انحطاط کے اسباب نہایت سرعت کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور انکو پستی کی طرف لیجا رہے ہیں۔ ان کی اہمیت روز بروز صفحہ ہستی سے مٹتی جاتی ہے حالانکہ وہ تمام مختلف عناصر جن سے ہماری قوم مرکب ہے اسوقت تک بدستور اسلام کے مدعی ہیں اور مثل اپنی جان کے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو کیا اسکا باعث یہ ہے جیساکہ زمانہ حال کے بعض علمائے مغرب کہتے ہیں کہ عموماً تمام مذاہب کی یہی حالت ہے کہ وہ انسان کو ترقی سے روکنے والے اور انسانی کمالات سے باز رکھنے والے ہیں ؟ - ہرگز نہیں۔ کیونکہ عربوں کی وحشت اور جہالت پر ایک سرسری نظر ڈالنے اور اسکے بعد انکی سریع السیر ترقی پر جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملسکتی غور کرنے سے اس قول کی تکذیب خود بخود ہوجاتی ہے۔ پس اگر یہ بات نہیں ہے تو کیا ہماری موجودہ حالت ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ جو قاعدہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو مہذب اور شائستہ بنانے والا اور اُس کی حالت کو ترقی دینے والا ہو وہ بالضرور ایسے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو آیندہ زمانہ میں ترقی کے مانع اور اُس کی ضرورتوں کے منافی ہوتے ہیں ؟ ہمارے نزدیک یہ قول بھی ہرگز صحیح نہیں ہے - کیونکہ ہم اپنی اس کتاب میں اسلام کے اہم اصول کی نسبت نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ غور کرچکے ہیں۔ ہمنے انکو انسانی زندگی کے قوانین کے بالکل مطابق پایا ہے اور ہمنے برای العین مشاہدہ کیا ہے کہ اسلام نے نفسانی ترقی کے لئے کوئی حد نہیں قرار دی بلکہ اُسنے بالکل عام قواعد بنائے ہیں اور ان تمام قیود کو توڑ ڈالا ہے جو قدیم زمانہ کے مقننوں نے آیندہ زندگی کے اصول سے ناواقفیت کے باعث لگا رکھی تہیں۔

اور انسانی نفس کو ان تمام زنجیروں سے نکالکر جن میں وہ جکڑا ہوا تھا حکمت اور اعتدال کے ساتھ اُسکو آزادی بخشی۔ ہم کسی ایسے زمانہ کا انتظار نہیں کرسکتے جس میں اعتدال کو مذموم اور افراط اور تفریط کو محمود سمجھا جائیگا۔ پس جبکہ یہی نہیں ہے تو پھر مسلمانوں کے تنزل کا کیا باعث ہے؟ ہمارے نزدیک اسکا اصلی سبب صرف یہی ہے کہ ہمنے مذہب کے معنی غلط سمجھے ہیں اور اُسکو دوسرے معنوں پر محمول کیا ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ہم گذشتہ فصلوں میں قرآن مجید کی آیات اور رسول خدا صلعم کی احادیث اور صدر اسلام کے حالات سے استدلال کرکے ثابت کرچکے ہیں کہ اسلام کی سب سے پہلی غرض یہ ہے کہ وہ دنیا کی ترقی کے عام اصول کے مطابق جو انسانی حالات کے استقرار سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو مادی اور ادبی ترقی دیتا ہے۔ اور انسانی نفوس کو پاک کرنیوالی چیزوں میں سے کوئی ادنیٰ چیز بھی ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف اُسنے اشارہ نہ کیا ہو۔ ان تمام امور کی نسبت ہم بتفصیل بحث کرچکے ہیں کسی قسم کے شکوک اور شبہات کی مطلق گنجایش باقی نہیں۔ لیکن اگر اسلامی قوم پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمہور افراد اسلام کے صرف یہی معنی سمجھتے ہیں کہ وہ محض عبادت کے قواعد اور چند ادعیہ و اذکار کا مجموعہ ہے جنکو دنیوی قضاء حاجات اور اُخروی حصول درجات کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ کلمہ شہادت، نماز روزہ اور حج زکوۃ پر انکے نزدیک اسلام ختم ہوجاتا ہے۔ مگر اسلام کی وسیع حکمتیں اور اُسکے عظیم الشان فضائل جو درحقیقت اُسکے معجزات ہیں اور جنہوں نے عربی قوم کو گوشہ خمول اور گمنامی سے نکالکر شہرت اور نام آوری کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا اُنسے وہ لوگ بالکل غافل اور بے بہرہ ہیں حالانکہ یہی چیز اسلام کی روح رواں اور صرف یہی غرض اُسکے نازل کرنے سے ہے۔

اسلام نفسانی اور جسمانی مطالب میں موافقت پیدا کرتا ہے تاکہ اُسکے پیرو انسان
کامل بن سکیں جنکے طبعی مطالب نقطہ اعتدال پر قائم ہوں اور اُنکی رغبتوں میں موافقت ہو۔
خدا فرماتا ہے "وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیراً للذین
احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنة و لدار الاخرة خیر ولنعم دار المتقین"
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم میں بہتر وہ شخص ہے جو نہ اپنی آخرت کی وجہ
سے دنیا کو چھوڑے اور نہ دنیا کی وجہ سے آخرت کو چھوڑے بلکہ اسکو بھی لے اور اُسکو بھی"
لیکن ہماری قوم کے ایک بڑے گروہ نے اس حکمت بالغہ پر غور کرنے سے اعراض کیا
ہے۔ مذہب کے سمجھنے میں اُس نے گذشتہ قوموں کی پیروی کی ہے اور خیال کیا ہے کہ
وہ محض عبادت اور عادت کی پیروی ہے۔ اس بارہ میں انکے ایسے خیالات ہیں جن کی خدا
نے کوئی سند نہیں بیان کی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "ولا تنس نصیبک من الدنیا"
اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے "ان من فقہ الرجل استصلاح معیشتہ ولیس
من حب الدنیا طلب ما یصلحک" مگر لوگ اسلام کے ان اصلی قواعد کو بھول گئے
اور اپنی طرف سے یہ خیال خام پختہ کر لیا کہ تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہونے اور تمام جسمانی
خواہشوں کو ترک کر دینے کا نام مذہب ہے۔ اور اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر انکو یہ بات
معلوم نہیں کہ یہی وہ مہلک طاعون ہے جو گذشتہ قوموں کو برباد اور قدیم زمانہ کے مذہبی فرقوں کا
استیصال کر چکی ہے۔ اور یہ باتیں انکو کیونکر معلوم ہو سکتی ہیں جبکہ وہ اپنے زاویہ خمول سے
باہر نکلنا گناہ سمجھتے ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت سے غافل ہیں۔
"افلم یسیروا فی الارض — "یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں (چلتے
فتکون لھم قلوب — پھرتے) تو اُنکے ایسے دل ہوتے کہ

یعقلون بھا او اذان
یسمعون بھا فانھا لا
تعمی الابصار ولکن
تعمی القلوب التی فی
الصدور "۔

اُنکے ذریعہ سے (انجام کار کو) سمجھتے
اور (ان کے) ایسے کان (ہوتے) کہ اُنکے
ذریعہ سے (نصیحت کی بات) سنتے بات یہ ہے
کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل جو سینوں
میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔"

مذہب کے معنوں میں غلط فہمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقوے کے معنی اُس اعتبار سے جو رسول خدا صلعم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں سمجھے جاتے تھے بالکل بدل گئے۔ آجکل کی اصطلاح کے مطابق متقی سے مراد وہ شخص ہے جو محنت اور کوشش اور تمام دنیوی کاروبار کو ترک کر کے آرام کے ساتھ گوشہ خمول و گمنامی میں بیٹھ گیا ہو، دنیا کی کوئی امید اُس کے دل میں باقی نہ رہی ہو گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے حالات سے محض جاہل اور بالکل ناواقف ہو، اور جو ہر وقت گردن ڈھلکائے ہوئے بیٹھا رہتا ہو، اگر کوئی کام اُسکے سپرد کیا جاوے تو اُسکو خراب کر دے۔ اکثر مسلمانوں کے نزدیک ایک متقی آدمی کی اہم صفات یہی ہیں۔ اور یہ صفات جیسا کہ غور کرنیوالوں کو معلوم ہے ہمارے سلف صالحین کی صفات اور حالات سے قطعاً مغائر اور بلحاظ مستقیم منافی ہیں۔ تاریخ سے بطور تواتر کے ثابت ہو چکا ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ رسول خدا صلعم اور آپ کے صحابہ کرام جو اتقا اور پرہیزگاری اور دینی کمال کے نمونے تھے نہایت اولوالعزم، باہمت، محنت اور کوشش کرنے والے قوم کی عزت اور عظمت کی بنیاد ڈالنے والے، اُسکو رفعت اور برتری کے آسمان پر پہنچانے والے تھے۔ اُنہوں نے حق کی تائید اور باطل اور گمراہی کی بیخ کنی میں جسقدر سر توڑ کوششیں کی ہیں اُنکے حالات تواریخ و سیر کی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ اصلی تقویٰ ہے

جسکو اسلام نے پیرؤوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ لیکن اگر آجکل کے اتقا کو اسلامی اتقا
کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ سراسر فسق و فجور اور قطعی حرام ہے۔
اتقا کے معنوں میں غلط فہمی سے (جس میں ہم بوجہ اسلام کی حقیقت سے
ناواقف ہونے کے مبتلا ہو گئے ہیں) ہم مسلمانوں کو دو قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔ ایک
قسم کا نام ہمنے اہل دنیا رکھا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو قوم اور ملک کو اپنی دستکاریوں
یا علمی بحثوں سے فائدہ پہونچاتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا نام ہمنے اہل آخرت رکھا ہے
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا اور اسکے کاروبار کو ترک کرکے نماز روزہ نوافل اور
چلوں اور عرسوں میں اپنے آپکو وقف کر رکھا ہے۔ چند صدیوں سے اس وہمی تقسیم
کی بیخ دنیا و تمام دنیا سے اسلام میں مستحکم ہو گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اہل دنیا
شمار کئے جاتے ہیں اُنہوں نے اپنے کو صرف ان علوم و فنون کے حاصل کرنیمیں
وقف کر رکھا ہے جن پر مادی سعادت و فلاح کا انحصار ہے اور اہل آخرت صرف علوم
عبادت و طہارت میں مصروف ہیں۔ پس پہلا گروہ مذہبی اعتبار سے جاہل محض ہے جسکو
مذہب کی نسبت طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور دوسرا
گروہ دنیوی معاملات سے اسقدر بے بہرہ ہے کہ اُسکو وسائل کسب معیشت سے بالکل
واقفیت نہیں ہے اور اسلئے وہ سخت افلاس اور تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا
ہوکر دست سوال دراز کرنے کے لئے مجبور ہوتا ہے اگرچہ کسی خوبصورتی کے ساتھ ہو
دین و دنیا کی تفریق تمام وجوہ سے اسلامی اصول کے بالکل منافی اور اُس کے
احکام کے برخلاف بلکہ اُن میں سے اکثر کو معطل کرنیوالی ہے۔
ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مذہب اسلام ایسا عام مذہب ہے جو جسمانی اور نفسانی

مطالب میں ایسی موافقت پیدا کرتا ہے جو ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری اور لابدی ہی جو حکمت اور اعتدال کے مرکز پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں۔ ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ دنیا و مافیہا کو ترک کرکے عبادت میں منہمک ہو جانا اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے۔ (من تبتل فلیس منھا) اور دنیا و آخرت دونوں کی صلاح و فلاح کا خواستگار ہے۔

"ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ" "اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خیر و برکت دے اور آخرت میں خیر و برکت دے"، "وعد اللہ الذین آمنو منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔" "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں انسے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن انکو ملک کی خلافت (یعنے سلطنت) ضرور عنایت کریگا جیسے ان لوگوں کو خلافت عنایت کی جو انسے پہلے گذرے ہیں"

اور ہم مدلل طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ وہ محنت اور کوشش اور کام کرنیکی ترغیب دیتا ہے اور کاہلی اور سستی سے باز رکھتا ہے۔ اس کی یہ ترغیب و ترہیب ایسی عبارات میں کی گئی ہے جو زمانہ حال کے اقوال سے زیادہ تر موثر ہیں۔ اور یہ کہ اسلام کے نزدیک تمام کاموں کا انحصار کرنیوالے کی نیت پر ہے۔ اگر کوئی شخص تمام محرمات کو ترک کردے مگر اسکی صرف یہ غرض ہو کہ لوگ اسکو نیک آدمی سمجھیں اسلام میں ایسا آدمی منافق شمار کیا جاویگا اور گناہگار ہوگا لیکن اگر کسی شخص کی نیت درست ہو اور اس سے غلطی ہو جائے تاہم اسکو ثواب ملیگا۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ "تمام اعمال نیتوں پر منحصر ہیں"، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "جو شخص تمام دنیا اور اس کی تمام دولت جمع کرلے مگر اسکو صرف خدا کی رضا مندی

مقصود ہو تو وہ زاہد ہے لیکن جو شخص دنیا و مافیہا کو ترک کر دے مگر خدا کی رضامندی مقصود نہو تو ایسا شخص زاہد نہیں ہے۔

یہ تمام باتیں ہم گذشتہ فصلوں میں بیان کر چکے ہیں اور انکو ایسی قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں جنپر کسی قسم کا کوئی نقض وارد نہیں ہو سکتا اور ہم اپنے ناظرین کے افکار کو اسلام کے ابتدائی گروہ کے حالات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد دو قسموں پر منقسم نہیں تھے یعنی دینی اور دنیوی۔ بلکہ جیسا کہ تواریخ سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ کے تمام افراد دینی اور دنیوی کاروبار ایک ہی ساتھ انجام دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے اور یہ پیشہ انہوں نے اسوقت ترک کیا تھا جبکہ اورنگ خلافت پر جلوس فرمایا تھا امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری اور بحری تجارت کرتے تھے اور اپنے باغوں میں کاروبار انجام دیتے تھے۔ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوست مسجد میں اسنسے ملا۔ آپ نے اس سے کہا کہ "اگر میں تجھکو تلاش معاش میں دیکھوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تجھکو مسجد کے گوشہ میں بیٹھا ہوا دیکھوں۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو اس مقام سے جہاں میں اپنے اہل وعیال کیلئے خرید و فروخت کرتا ہوں کوئی مقام زیادہ محبوب نہیں"۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ رسول خدا صلعم جسطرح ان کو اخروی کاموں میں ترغیب دیتے تھے اسیطرح دنیوی کاروبار کی ترغیب دیتے تھے آپ انسے فرماتے تھے۔ "دنیوی کاروبار اس طرح کرو گویا کہ تم ہمیشہ زندہ رہوگے اور اخروی کام اسطرح کرو کہ گویا تم کل ہی مرجاؤ گے" "کھیتی کرو کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے"[۲] "زمین کے اندر سے رزق تلاش کرو"[۳]

---

[۱]

[۲] اس حدیث کو ابوداود نے اپنی مراسیل علی بن الحسین سے روایت کیا ہے [۳] یہ حدیث ضعیف ہے اسکو طبرانی نے روایت کیا ہے

"رزق[1] کا 9/10 حصہ تجارت میں ہے" "عبادت[2] کے دس حصے ہیں جن میں نو حصے طلب حلال ہے" "جبکہ قیامت[3] قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو تو اسکو بو دینا چاہیئے۔"

غرضکہ مذہب اسلام کے نصوص اور عہد نبوت کے مسلمانوں کے حالات یہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں سے دنیا و آخرت کی تفریق معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہی نصوص ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو دینی اور دنیوی گروہوں میں منقسم ہونیسے محفوظ رکھا۔ اس تفریق سے قوم کے خیالات میں تخالف اور اغراض میں تناقض پیدا ہوتا ہے جس سے افراد قوم میں باہمی بغض و حسد، نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور محبت اور الفت کے روابط کو مستحکم کرنیوالے وسائل محض بیکار اور بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اور ایک عرصہ گذرنے کے بعد یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ ان دونوں قسموں میں سخت تلاطم پیدا ہوتا ہے اور تمام افراد قوم کے خیالات بالکل پراگندہ اور منتشر ہو جاتے ہیں اور قوم کا شیرازہ جمعیت جو افراد کو باہم مربوط کرتا ہے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسکے بعد انکو اپنی آنیوالی تباہی اور بربادی کا احساس شروع ہوتا ہے۔ اسوقت یہ دونوں گروہ ایک دوسرے پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے ہیں اہل آخرت کہتے ہیں کہ یہ تباہی اور بربادی اہل دنیا کی بدکاری اور ناہنجاری سے قوم پر طاری ہوئی ہے اور دنیا دار کہتے ہیں کہ اہل آخرت نے اپنا فرض منصبی ادا نہیں کیا اور قوم کے ارشاد و تلقین میں کوتاہی کی جس سے قوم کو یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا۔ اسی طرح

---

[1] ص۔ عن ابی نعیم بن عبد الرحمن قال السیوطی ہذا حدیث حسن ۔

[2]

[3] ادب المفرد امام بخاری

یہ دونوں گروہ باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہتے ہیں مگر اندرونی مرض قوم کے جسم میں اپنا کام کرتا رہتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخرکار قوم کو تباہ و برباد کر دیتا اور صفحۂ ہستی سے اُسکا نام و نشان مٹا دیتا ہے۔

بعینہ یہی حالت اسوقت ہماری قوم کی ہے۔ کیونکہ اُسپر ایسے حادثات طاری ہوئے ہیں جنسے اُسکا شیرازۂ وحدت بکھر گیا ہے اور مثل گذشتہ قوموں کے دینی اور دنیوی گروہوں میں تفریق پیدا ہو گئی ہے اور اسوقت یہ دونوں فریق باہم لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں۔ شاید موجودہ نسل کو قومی عظمت کو از سرِ نو تازہ کرنے کی غرض سے اسلامی فضائل کی ضرورت کا سب سے زیادہ احساس ہوا ہے۔ یہ لوگ علماء پر سخت الزام عائد کرتے ہیں کہ اُنھوں نے موجودہ ضرورتوں کے مطابق قوم کی رہنمائی میں کوتاہی کی ہے بیشک اسوقت اسلامی کمالات کے معلوم کرنے کی طرف عام طور پر رغبت دیکھی جاتی ہے تاکہ موجودہ اخلاقی فساد دور ہو جو تمام قوم کو محیط ہے اور جس نے جدید نسل سے شریفانہ احساس مفقود کر کے بدکاریوں اور ناہنجاریوں میں اُسکو مبتلا کر دیا ہے۔ بیشک ہمارے سامنے ایسے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں مگر ہم اپنے ناظرین سے صرف اسقدر کہنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ اس رغبت کی اسوقت تک تمام ضروری شرائط پوری نہیں ہوئی ہیں۔ گویا کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آسمان سے ان اسلامی فضائل کی بارش برس جاوے اور ادنیٰ و اعلیٰ تمام مسلمانوں کو نہال اور مالامال کر دے اور وہ اپنے بچھونوں پر آرام سے بیٹھے رہیں۔ اور جن وسائل سے ایسی باتیں ممکن الحصول ہیں اُنکے قریب بھی نہ جائیں۔ یا یہ چاہتے ہیں کہ یہ فضائل صرف ایسے لوگوں کے ذریعہ سے معلوم ہوں جو ایک خاص شکل کا لباس پہنتے اور خاص خاص کتابیں پڑھتے ہیں۔

یہ خیالات ہرگز صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا عقل کی حق تلفی ہے اگر ہم ایسا خیال کریں تو ہم مثل اُن کاہلوں اور احدیوں کے ہونگے جو چاہتے ہیں کہ تمام ضروری چیزیں انکو گھر بیٹھے ملجایا کریں۔ اسلامی فضائل جنکو جنگلی بدو بہت تھوڑے عرصہ میں سمجھ لیتے تھے ایک مہذب قوم کی نسل کو انکا سمجھنا ہرگز دشوار نہیں ہو سکتا۔

اسلامی اصول کو انسانی عقلوں میں راسخ کرنے کے لئے مباحثہ اور مجادلہ یا تمہیدی مقدمات کی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ نہایت صاف اور واضح اور بالکل سیدھے سادے ہیں اور انسانی نفس کو انپر ایسا سکون اور اطمینان حاصل ہوجاتا ہے جس کی کسی طرح پر تعبیر نہیں ہوسکتی۔ پس اگر کوئی شخص حقائق کائنات کا عالم ہے اور وہ اس اطمینان کے راز کی تعبیر کرنا چاہتا ہے جو اُسکے دل کو حاصل ہوا ہے تو اُسکو آفرینش کے اسرار اور انسانی زندگی کی تکالیف اور دنیا کے قوانین فطرت اور نیز اُس غرض وغایت پر غور کرنا چاہئے جسکے لئے انسان بے اختیاری طور پر کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ اُسکو عیانی طور پر معلوم ہوجائے کہ اسلامی اصول باوجود سہل اور صاف اور روشن ہونے کے انسان کو مادی اور روحانی سعادت اور دنیوی و اخروی راحت تک پہنچانے کا اکیلا ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ شاہراہ ہے جسکو انسان بمقتضائے اپنی فطرت تلاش کر رہا ہے اور جسکو اس زمانہ کے علما دور سے دیکھ رہے ہیں اور اُسکے قریب پہونچے ہیں جو مشکلات سد راہ ہیں اُنکو دور کر رہے ہیں۔

اگر سہولت اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی اصول کی یہی حالت ہے تو ہم کیوں اُنکے مفقود ہوجانے پر گریہ وزاری کرتے اور اپنے علما اور راہنماؤں کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ اُنکے ظاہر کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ وہ اصول قرآن مجید اور احادیث شریف

اورسلف صالحین کی کتابوں میں نہایت صاف اورصریح عبارتوں میں بیان کئے گئے ہیں؟
کیا مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید صرف اسلئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کا ایک خاص گروہ اُسکو سمجھے۔ یا بے سمجھے بوجھے وہ قبروں پر پڑہا جاے۔ یا خوشی کی موقع پر بطور راگ کے گایا جاے؟ یا یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کی حدیثیں صرف قضاے حاجات اور حصول برکات کے لئے پڑہی جایئں؟ مسلمانونکو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں اسلام کے بالکل منافی اور خدا کی نارضی کا باعث ہیں۔

قرآن مجید جو مجموعہ مواعظ وحکم ہے اور احادیث شریف جو قوانین شائستگی کا خلاصہ ہے ان کی تدوین اور اشاعت قوم میں صرف اس غرض سے ہوئی ہے کہ لوگ ان حکمتوں پر غور کریں اور اپنر عمل کریں۔ کیونکہ یہ دینی اور دنیوی سعادت وفلاح کے حاصل کرنیکا ذریعہ ہیں مسلمانوں کی تاریخ ہمارے اس قول کی قطعی دلیل ہے۔ ہمکو سلامی کمالات کے ضرورت کا احساس ہوا ہے پس کیا وجہ ہے کہ ہاتہہ پر ہاتہہ دہری ہوے ہیں اور بقدر اپنی استطاعت کے کوشش نہیں کرتے۔

کیا ہم مثل اُن احدیونکے نہیں ہیں جنکے سامنے غذا موجود ہے اور وہ بہوک سے نہایت بیقرار ہیں مگر وہ اس امر کا انتظار کر رہے ہیں کہ کہانا خود بخود اُڑکر اُنکے منہ میں آجاے اور انکو ہاتہہ بڑہانے کی تکلیف نہ کرنا پڑے؟ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے تمام اوقات کو امیل زولا[1] اور رینالڈ[2] کے ناولوں میں برباد کرتے ہیں۔ مگر ہم اس عظیم الشان کتاب کے مطالعہ میں پانچ منٹ بہی

---

[1] فرانس کا نہایت مشہور اور نامور ناولسٹ ہے جسنے ابہی حال میں انتقال کیا ہے۔
[2] انگلستان کا مشہور ناول نگار ہے۔

صرف کرنا گوارا نہیں کرتے جس میں تمام کائنات کے اسرار بیان کیئے گئے ہیں۔

ہم تہذیب اور شائستگی اور روشن خیالی کے مدعی ہیں اور دنیا کے عجائبات کا اکتشاف کرنے میں ہم شائستہ لوگوں کی تقلید کرتے ہیں اور ہماری قوم کے جو لوگ چپ چاپ بیٹھے ہیں اپر کاہلی اور مردہ دلی کا الزام لگاتے ہیں۔ ہم اسپنسر کی تمدنی تھیوریوں اور گیمبٹیا کے سیاسی مسائل کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھتے اور سر ہلاتے ہیں لیکن ہم اس عظیم الشان کتاب کی طرف نظر نہیں کرتے جس کی عجیب و غریب حکمتوں کے دریافت کرنے میں اگر علما اپنی تمام عمریں صرف کردیں تو انکا عشر عشیر بھی دریافت نہ کر سکیں۔ ہم دو سروں کی تقلید کرکے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں شرم کرتے ہیں اس خوف سے کہ ہم کو ناقص العقل کہا جائیگا۔ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو یہ بالکل اندھا دھند تقلید ہے اگر ہم اپنی آسمانی کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالتے تو ہمکو اس تقلید کی ضرورت نہ پڑتی اور ہمکو معلوم ہو جاتا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو گوشہ نشینی اور گمنامی یا تعصب مذہبی یا ذلت و خواری یا ناقابل برداشت عبادات اور ریاضات کا حکم دیتا ہو جو موجودہ اور آیندہ تمدن کے منافی ہیں بلکہ وہ ایک ایسا مذہب ہے جو محنت اور کوشش اور کام کرنیکے لئے انسان کو آمادہ کرتا ہے اور علو ہمتی اور اولوالعزمی کے ساتھ عزت اور عظمت اور رفعت حاصل کرنیکی ترغیب دیتا ہے اُس کی یہ تمام باتیں ایسی حکمتوں پر مشتمل ہیں جنکے مقابلہ میں علمار کی حکمتیں ایسی ہیں جیسے آفتاب کے مقابلہ میں چراغ کی روشنی۔ پس ایسی حالت میں جو شخص اسلام کی نسبت گفتگو کریگا وہ ایسے خیالات کا دہرانے والا ثابت نہوگا جنکی تکذیب موجودہ زمانہ کے شواہد سے ہو چکی ہے بلکہ وہ ایسی حکمتوں کا بیان کرنیوالا سمجھا جائیگا جنکے سامنے باطل نہیں ٹہیر سکتا۔ اور ایسے مسائل بیان کریگا

جن کی تصدیق میں عالم ممکنات زبان حال سے چلا رہا ہے۔ ایسے قواعد ذکر کریگا جن میں کسیوقت بھی خلل اور فتور نہیں آسکتا۔ ایسے اصول ظاہر کریگا جن پر ہر قسم کی تہذیب اور شائستگی کا انحصار ہے اور لوگونکو ایسی روشنی دکھلاویگا جو دلوں میں سرایت کرکے ایسا آفتاب روشن کرتی ہے جس کی روشنی کبھی خاموش نہیں ہوسکتی۔ اور نیز انسانی نفوس کو اوہام اور خرافات کے شیاطین سے پاک صاف کریگا اور انکو تسلی اور اطمینان دیگا اور عالم ملکوت تک پہونچنے کی صلاحیت انہیں پیدا کریگا۔

اسلام سے پیشتر عربونکی جہالت اور وحشت کی جو ناگوار حالت تھی اُسپر غور کرو۔ اور اُسکے بعد دیکہو کہ اسلام کے ذریعہ سے کسقدر عظیم الشان اور فوری تغیر اُنکی حالت میں واقع ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں اُنکی یہ حالت تھی کہ ایک عرب اپنی لڑکیکو جنگل میں لیجاتا تھا اور وہ اسکے ساتھ ساتھ چلی جاتی تھی اور اُسکے واسطے گڑھا کھودتا تھا اور وہ اپنے بیرحم باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتی جاتی تھی مگر اُس ظالم کو مطلق رحم نہیں آتا تھا اور اُسکو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کرکے خوش بخوش اپنے گھر کو واپس چلا آتا تھا گویا کہ ایک ایسا کام کیا ہے جو اُس کی نیکنامی کا باعث ہے۔ ان وحشی القلب عربونکو دیکھو جن میں رحم کا نام و نشان بھی نہیں اور پھر اسلام قبول کرنے کے بعد انکی حالت پر غور کرو۔ تم کو ایسے لوگ نظر آئینگے جن کے اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ ان لوگوں سے بدرجہا بہتر ہیں جنہوں نے علم و حکمت کے گہوارے میں پرورش پائی ہے۔ تمکو عظمت اور شہامت فضائل اور کمالات کے ایسے نمونے نظر آئینگے جو اپنے نمونے سے حکماے اخلاق کو انکی تالیفات کے عیوب اور نقائص سے آگاہ کرتے ہیں۔ تمکو ایسے اشخاص نظر آئینگے جو بلحاظ پرہیزگاری اور وقار کے فرشتوں سے اور بلحاظ ہمت اور اقتدار کے کسریٰ و قیصر سے

فائق ہیں - عمر بن الخطاب کی حالت پر غور کرو - ان کی زمانہ جاہلیت کی تاریخ غالباً تم کو معلوم ہوگی اسلام قبول کرنے کے بعد چند سال میں ان کی حالت کیسی ہو گئی ؟ انکی حکمت اور سیاست اور استقلال کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کو ایسی بڑی عزت حاصل ہوئی جو ایسے بڑے شہنشاہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی جس نے شاہی خاندان میں تربیت پائی ہو اور نہ ایسے حکیم سے ممکن ہے جسنے حکمت اور سیاست کی آغوش میں پرورش پائی ہو۔ انکی پرہیزگاری اور رقیق القلبی اس درجہ کو پہونچ گئی تھی کہ بعض اوقات کلام مجید کی ایک آیت سنکر بیہوش ہو جاتے تھے یا بعض اوقات اسکی وجہ سے کئی کئی دن تک بیمار رہتے تھے گویا متنبی نے یہ شعر انہیں کی تعریف میں لکھا ہے۔

فسا فالاسد تفزع من قواہ
ورق فنحن تفزع ان یذوبا

یہ باتیں انکو کہاں سے اور کیونکر حاصل ہوئیں ؟ کیا انہوں نے علوم اخلاق کی تعلیم کسی یونیورسٹی کالج میں پائی تھی ؟ یا تمدنی اور سیاسی علوم علمی جلسوں اور پارلیمنٹ کی سبز بنچوں پر سیکھتے تھے ؟ یا انہوں نے قوانین کی تعلیم کسی قانونی کالج میں حاصل کی تھی - ؟ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے - بلکہ ان کی تعلیم کا ذریعہ صرف ایک ہی اور وہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید اور احادیث شریف کو غور کے ساتھ پڑھتے تھے اور جن امور کے سمجھنے میں انکو دشواری پیش آتی تھی ان کی نسبت دوسروں سے سوال کرتے تھے۔

ہمنے بطور مثال صرف ایک شخص کو پیش کیا ہے - تاکہ تمکو معلوم ہو جاے کہ مذہب اسلام کو طبیعت کے بدلنے، فوری تاثیر ڈالنے اور اپنے پیرووں کے خیالات کو روشن

کرنے میں کیسا زبردست قتدار حاصل ہے - پس کیا وجہ ہے کہ ہمنے ان بیش بہا خزانوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اخلاق و حکمت کے سیکھنے کے لئے ادہر اودہر مارے مارے پھرتے ہیں اور ناکام ہونے کے بعد اسکا الزام ہم دوسرے فریق کے ذمہ تہوپتے ہیں -

الحاصل مسلمانوں کے موجودہ مرض کی دوا صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے معنوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور یقین کریں کہ سب سے اول غرض یہ ہے کہ ان کی مادی اور ادبی دونوں حالتوں کو ترقی دیجائے کیونکہ ان دونوں میں پورا ارتباط ہے - انکو غور کرنا چاہیئے کہ اسلام میں عبادت سے مقصود جسمانی عبادت مثلاً رکوع و سجود ہی نہیں ہے بلکہ وہ تمام کام جو انسان عبادت سمجھکر اپنی ذات یا خاندان یا نوع یا تمام کائنات کی بہبودی کے لئے انجام دیتا ہے اشرف و افضل ترین عبادت میں داخل ہیں - مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام صناعات اور ایجاد و اختراعات کی ترقی کا مانع نہیں ہے بلکہ ایسی مفید باتوں کی ترغیب دیتا ہے اور انسے باز رہنے والوں کو ملامت کرتا ہے - یہی اسلامی اصول ہیں جن کی تائید سیکڑوں آیتوں اور ہزاروں حدیثوں اور زمانہ نبوت کے مسلمانوں کے حالات سے ہوتی ہے اور ان تمام اصول کو ایک روشن خیال معلم صرف ایک سبق کے اندر اپنے شاگردوں کے ذہن نشین کرسکتا ہے

یہی وہ دوا ہے جو مسلمانوں کے مرض کے لئے تیر بہدف ثابت ہوگی - لیکن اس دوا کے عام مسلمانوں تک پہونچنے میں جو مطالعہ سے محروم ہیں بہت سی مشکلات حائل ہیں جنکا دفعیہ ایک عرصہ کے بعد ہوگا -

اس کتاب کے خاتمہ پر ہم خدا کی جناب میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمکو صراط مستقیم

کی ہدایت کرے اور اپنے رسول کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے - اور ہمارا خاتمہ بالخیر کرے -

آمین یارب العالمین وصلی اللہ علے سیدنا محمد عبدہ ورسولہ وعلے آلہ وصحبہ متبعیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا -

ترجمہ تمام شد -

بقلم خاکسار رشید احمد انصاری - مدرسۃ العلوم علیگڈھ

بحکم نواب محسن الملک بہادر

۴ - مئی سنہ ۱۹۰۳ء -

فہرست کتب موجودہ مطبع احمدی علیگڈہ

مطبع احمدی میں مندرجہ ذیل کتابیں نیز عربی اور اردو و فارسی ہر قسم کی کتابیں فروخت کے لئے موجود ہیں شائقین بعد ارسال قیمت یا بذریعہ ویلو پی ایبل طلب فرمائیں انکے علاوہ مصر و بیروت کی چھپی ہوئی ہر علم و فن کی عربی کتابیں ہماری معرفت طلب کیجا سکتی ہیں بشرطیکہ نقد قیمت ارسال کیجادی۔ المشتہر۔ سعید احمد مہتمم مطبع احمدی علیگڈہ

الاخلاق المحمدیہ - اس کتاب میں تمام اسلامی اخلاق و آداب و طریق معاشرت و حقوق باہمی کی نسبت جدا جدا عنوان قایم کرکے اول قرآن مجید کی آیتیں لکھی گئی ہیں اور اسکے بعد صحیح حدیثیں مستند کتابوں سے انتخاب کرکے مع مطلب و ترجمہ اردو لکھی گئی ہیں اسکے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے اور ہر ایک مسلمان کو کس قسم کے اخلاق اور اطوار رکھنے چاہئیں - یہ کتاب حقیقت میں کتب درسیہ میں شامل ہونیکے قابل ہے اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ اسکو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھے تاکہ اسلامی معاشرت اور اخلاق سے پوری واقفیت ہو - اس کتاب کے چار حصے ہیں دو حصے طبع ہوگئے ہیں - حصہ اول ۔ ۔ ۔ ۔ (۱۰/)

حصہ دوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۱۰)

عربی کتب

ابن رشد و فلسفہ - اس ضخیم کتاب میں فیلسوف اسلام ابو الولید بن رشد کے تاریخانہ حالات عربوں اور اہل یورپ کی مستند و معتبر تواریخ سے انتخاب کرکے درج کئے گئے ہیں اور اسکے فلسفہ پر نہایت محققانہ اور بسیط ریویو کیا گیا ہے اور اسکے تمام تصنیفات کی مفصل فہرست دیگئی ہے اور یہ کہ وہ دنیا کے کن کن کتب خانوں میں موجود ہیں - یہ کتاب ایک ذی علم کے مطالعہ کے قابل ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے

فرانسیسی الاسد - یہ ایک نہایت دلچسپ ناول ہے جو فرانسیسی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا ہے اسکے مطالعہ سے بغاوت فرانس کے اصلی واقعات منکشف ہو جاتے ہیں - قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

نظم حالی و نظیر - قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۰۲/

حیات سرسید - مختصر سوانح عمری آنریبل سر سید احمد خان مرحوم بانی مدرسۃ العلوم علیگڈہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۰۲/

ارکان اسلام - ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ا/

آغاز اسلام - سوانح عمری حضرت رسول اکرم - ۲/ کتب مصنفہ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب

تاریخ مسلمان کامل - مصنفہ مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب جسکے ۱۲۱۵ صفحے ہیں مسلمانان ہندوستان کی اس سے زیادہ مفصل اور جامع تاریخ آجتک نہیں لکھی گئی قیمت - عـہ

اکسیر دولت - قوموں کی دولت کے گھٹنے بڑھنے کے اصول ۹/

کیمیائی دولت - قوموں کی دولت کے گھٹنے بڑھنے کے اصول ۸/

نساء المسلمین - یہ کتاب فاطمہ خانم ایک ترکیہ خاتون کی تصنیف ہے اسمیں ان تمام امور پر جو اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کی نسبت زیر بحث ہیں مثل پردہ کثرت ازدواج طریق شادی حقوق و لباس زنان اسلام کی نہایت خوبی سے دلکش پیرایہ میں بحث کیگئی ہے یہ کتاب زنانہ تعلیم کی کورس میں داخل ہونیکے قابل ہے - ہندوستان میں چونکہ یہ مباحث آج کل زیر بحث ہیں اسلئے اس کتاب کا ترجمہ اور نیز جدید تعلیم کی روشنی ڈالیگا قیمت ۱۲

فہرست کتب مطبع احمدی علی گڈھ

اخلاق محمدی - اس کتاب میں طرزِ معاشرت آداب، اُنس، اخلاق، کسب معاش - ممانعت سوال - ہمت - استقلال، ہمدردی - رفاہ عام، حقوق باہمی - تعظیم اکابر، شفقت اصاغر وغیرہ تمام صفات حسنہ کے متعلق آیات و احادیث جمع کرکے مع اصل و ترجمہ کے طبع کی گئی ہیں جنکے دیکھنے سے متقدمین اسلام کے اخلاق و معاشرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے -

ہر فرقہ کے مسلمانونکو اس کتاب کا مطالعہ مفید ہے - علم اخلاق میں اس طرز کی کتاب آجتک طبع نہیں ہوئی - حصہ اول ۱۰؍ حصہ دوم ۱۰؍ حصہ سوم و چہارم زیرِ طبع ہے -

نساء المسلمین - یہ کتاب فاطمہ خانم ایک ترکی خاتون کی تصنیف ہے اس میں - پردہ - کثرت ازدواج طریق نکاح حقوق زنان پر مکالمہ کے طور پر دلچسپ طریقہ سے محققانہ بحث کی گئی ہے قیمت ۱۲؍

حیات سر سید - سر سید احمد خاں مرحوم بانی مدرسۃ العلوم کی مختصر سوانح عمری قیمت - ۲؍

رسالۃ التوحید - یہ رسالہ علم کلام میں شیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی تصنیف ہے اور مولوی رشید احمد صاحب انصاری نے اُسکا اردو ترجمہ کیا ہے اس کتاب کی تعریف میں یہی بات کافی ہے کہ اُسکو کمیٹی دینیات مدرسۃ العلوم علیگڈھ نے طلباء اسکول کے مذہبی نصاب تعلیم میں داخل کر لیا ہے یہ کتاب نہایت عجیب اور قابل دید ہے - قیمت - .. .. .. ۶؍

انوار سنت در ردّ بدعت - .. .. .. ۵؍

شوکت اسلام بجواب ترک اسلام - .. .. .. ۱۰؍

المشتہر سعید احمد - مطبع احمدی علیگڈھ